وہ قیمت جو
جو ہم نے چکائی

پاکستان — 1947 سے 2026 تک تاریخ کا ایک محاسبہ





فیصل عظیم

تحقیق • سیاست • معیشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ قیمت جو ہم نے چکائی

از: فیصل عظیم

جملہ حقوق محفوظ

پہلی اشاعت: 2026ء

ایڈیشت: 2026ء

ایڈیشن: 2026

مصنف کا تعارف

ابتدائی سفر اور بیرون ملک قیام:

فیصل عظیم نے ایک عام پڑھے لکھے نوجوان کی حیثیت سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ 1999ء میں بیرون ملک چلے گئے اور 2015ء کے آخر میں پاکستان واپس آکر یہاں کی عملی زندگی کی دوڑ کا حصہ بنے۔

پیشہ ورانہ مہارت:

پیشے کے لحاظ سے ایک ماہر آئی ٹی پروفیشنل (IT) Professional) ہیں اور اس وقت سرکاری طور پر محکمہ سول ڈیفنس سے وابستہ ہیں۔

ادبی و تحقیقی خدمات:

سول ڈیفنس کے موضوع پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور متعدد قوانین کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا ایک شعری مجموعہ "دلوں کے اندر بدلتے موسم" بھی شائع ہو چکا ہے۔

کتاب کی تصنیف اور حالیہ معرکہ:

مئی 2025ء میں ان کے گھر کا میٹر خراب ہونے پر لیسکو (LESCO) انتظامیہ کی نااہلی کے خلاف ان کی جدوجہد شروع ہوئی۔ پورے ایک سال کی تگ و دو کے بعد اگست 2026 میں یہ مسئلہ حل ہوا۔

کتاب کا خاص پہلو:

خود ایک سرکاری ادارے سے منسلک ہونے کے باوجود، انہوں نے ایک عام صارف کی حیثیت سے لیسکو کے کرپٹ اور سست رفتار نظام کو بھگتا۔ انہوں نے سرکاری ملازمین کی طرف سے عام شہریوں کی تذلیل کے اس پورے احوال کو دستاویزی شکل میں اس کتاب کا حصہ بنایا ہے، تاکہ عوام کو شعور مل سگے۔

وہ قیمت جو ہم نے چکائی—فہرستِ مضامین

- باب 4: اسی کی دہائی — افغان جنگ، ڈالر اکانومی اور سماجی بگاڑ (1977ء تا 1988ء)
    - بیرونی امداد پر چلنے والا عارضی بلبلہ اور رینٹل اسٹیٹ کا آغاز
    - عالمی تقابل: جب ملائیشیا نے مہاتیر محمد کے تحت ترقی کا راستہ چنا
    - غیر جماعتی انتخابات (1985ء) اور سیاست میں برادری ازم و پیسے کا کلچر
    - معاشرتی تمیق: کلاشنکوف کلچر، ہیروئن کی اسمگلنگ اور شدت پسندی
- باب 5: نوے کی دہائی — سیاسی "میوزیکل چیئرز" اور آئی ایم ایف کا جال (1988ء تا 1999ء)
    - سیاسی عدم استحکام، دفعہ 58(2b) کا استعمال اور بیوروکریٹک تسلسل کا خاتمہ
    - عالمی تقابل: جب بھارت نے 1991ء میں اپنی معیشت کو دنیا کے لیے کھول دیا
    - انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (IMF) کے سخت ترین قرضوں کے چکر کا آغاز
- باب 6: دوہزار اٹھ کے بعد کا دور — قرضوں کا پہاڑ اور اسٹرکچرل دیوالیہ پن (2008ء تا 2026ء)
    - پیپلز پارٹی دور (2008–2013): دہشت گردی کی جنگ اور توانائی کا بدترین بحران
    - مسلم لیگ (ن) دور (2013–2018): سی پیک کا آغاز اور امپورٹ دز گوھت (قرضوں پر مبنی ترقی)
    - تحریکِ انصاف دور (2018–2022): سیاسی و پرلازنگشی، نیب کا خوف اور ہائبرڈ ماڈل کی ناکامی
    - پی ڈی ایم اور اتحیل دور (2022–2026): روپے کی بے قدری، 38٪ تاریخی مہنگائی اور ڈیفالٹ کا دہانہ
    - عالمی موازنہ (2026ء کی حقیقت): بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان کے معاشی حجم کا تجزیہ

حصہ دوم: آئی ایم ایف (IMF) کے بیل آؤٹ پروگرامز کا اسٹرکچرل پوسٹ مارٹم

حصہ سوم: بیرونی قرضوں کا پہاڑ اور آئی پی پیز (IPPs) کا جن

- آئی پی پیز کے مالکان کون ہیں؟ (اشنام گروپ، گل احمد اور عسکری ادارے)
- پلانٹ فیکٹر کا معمہ: بجلی پیدا کیے بغیر سالانہ اربوں روپے بٹورنے کا کچا چٹھا
- حالیہ پیش رفت (2024ء تا 2026ء): معاہدوں کا قبل از وقت خاتمہ اور منافع میں کٹوتی کا سچ

حصہ چہارم: مائی میٹر سٹوری—لیسکو (LESCO) اور ڈسکوز کی نااہلی پر چارج شیٹ

- **باب 11: جب میٹر خراب ہوا—ایک عام شہری کا بیوروکریٹک تماشہ**
  - مئی 2025ء: لیسکو کے فرسودہ آن لائن پورٹل پر پہلی شکایت کا اندراج
  - ڈیٹا کی چوری اور کاغذی تماشہ: 8 مرتبہ شکایت کو زبردستی حل شدہ دکھانے کا ریکارڈ
  - 160 سیکنڈز میں میٹر تبدیل کرنے کی درفتری جعل سازی کا پردہ چاک
- **باب 12: وفاقی محتسب کا فیصلہ اور لیسکو کی مجرمانہ جعل سازی**
  - وفاقی محتسب کی کارروائی اور 11 نومبر 2025ء کو لیسکو کے خلاف واضح حکم
  - توہین عدالت اور دروغ حلفی: محتسب کو 0.000 ریڈنگ والے پرانے میٹر کی جھوٹی تصویر دکھانا
  - 5 لاکھ روپے کا اضافی بلنگ کا جال اور میٹر تبدیلی کا حکم نامہ (MCO) روکنے کا مقصد
  - اگست 2026ء: کثیر الجہتی جوابی حملہ اور پندرہ ماہ بعد ڈیجیٹل سسٹم میں حق کی جیت
- **باب 13: ڈسکوز (DISCOs) کا کرپٹ نیٹ ورک اور ٹیرف سلیب کا گورکھ دھندا**
  - سالانہ 500 ارب سے زائد کی بجلی چوری اور لائن مین سے ایکسین تک کا گٹھ جوڑ
  - مفت بجلی کا اڑتا ہوا بوجھ اور پروٹیکٹڈ صارف (199 یونٹ) کو 201 یونٹ کرکے لوٹنے کا فارمولا
  - عدالتی فیصلے اور ڈسکوز مافیا کے خلاف میڈیا انکشافات کا دستاویزی ثبوت

حصہ پنجم: سرکاری اداروں کا اسٹرکچرل قتلِ عام اور نجکاری کی رکاوٹیں

- باب 14: پی آئی اے، اسٹیل ملز اور ریلوے — قومی فخر سے اربوں کے خسارے تک
    - پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز (PIA): اوور اسٹافنگ اور 2020ء کے جعلی لائسنس اسکینڈل کی تباہی
    - پاکستان اسٹیل ملز (PSM): جون 2015ء سے مستقل بندش کے باوجود اربوں کی تنخواہوں کا زیاں
    - پاکستان ریلوے: انجنوں کی خریداری میں کک بیکس اور مال گاڑیوں کا نیٹ ورک تباہ کرنے کی سازش
- باب 15: بیوروکریٹک ریڈ ٹیپ ازم اور نجکاری نہ ہونے کے پیچھے چھپی سازشیں
    - وزارتوں کے اعلیٰ افسران کی شاہانہ مراعات (TADA، مفت ٹکٹ، لگژری گاڑیاں) کا تحفظ
    - لیبر یونینز کا بلیک میلنگ کارڈ اور نجکاری کمیشن کی سست روی کا پوسٹ مارٹم
    - حالیہ صورتحال (2024ء تا 2026ء): پی آئی اے اور اسٹیل ملز کی نجکاری کے حالیہ بحران

- حرفِ آخر: عام پاکستانی کے لیے بیداری کا مینوئل

عالمی اسٹیج پر پاکستان اور معاشی ارتقا کا انویسٹی گیٹو پوسٹ مارٹم

پاکستان 14 اگست 1947 کو دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ یہ تاریخ کا واحد ملک ہے جو کسی جغرافیائی تقسیم یا نو آبادیاتی سودے بازی کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ ایک خالص نظریے —**دو قومی نظریہ**— کی بنیاد پر قائم ہوا۔ محض چند ہفتوں بعد، **30 ستمبر 1947** کو اقوام متحدہ کی **قرارداد نمبر 29** کے تحت اسے دنیا کے 57 ویں رکن کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اس تاریخی دن کی اصل دستاویزی کاپی آج بھی اقوام متحدہ کی ڈیجیٹل لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ ایک ایسے خطے کا آغاز تھا جس کے پاس نہ تو اپنا فعال دارالحکومت تھا اور نہ ہی کوئی مالیاتی ڈھانچہ، مگر اس نے عالمی سفارت کاری کے بڑے ایوانوں میں اپنی جگہ بنائی۔

29 (1947). Resolution of 12 August 1947

The Security Council,

Having received and considered the report submitted by the Committee on the Admission of New Members regarding the re-examination of the applications for membership in the United Nations of the People's Republic of Albania, the Mongolian People's Republic, the Hashemite Kingdom of Transjordan, Ireland and Portugal, and the examination of the applications of Hungary, Italy, Roumania, Austria, Yemen and Bulgaria,[29]

Having received and considered the application of Pakistan,

Having taken due notice of the statements of opinions of the members of the Security Council in regard to these applications,

[28] General Assembly resolution 35 (I), accepted by the Council at its 81st meeting (see *Resolutions and Decisions of the Security Council, 1946*, p. 17).

[29] *Official Records of the Security Council, Second Year, Special Supplement No. 3.*

اس گہرے اور ہمہ جہت تحقیقی جائزے میں ہم پاکستان کے معاشی، سیاسی، انتظامی، عسکری اور عوامی سفر کا ایک کچی سچائی کے ساتھ پوسٹ مارٹم کریں گے۔ ہم دیکھیں گے کہ تاریخ کے ہر موڑ پر کس نے فائدہ اٹھایا، کس نے نقصان جھیلا، اور اس کے نتیجے میں ریاست کو کیا قیمت ادا کرنی پڑی۔



1947–1958—قیام سے انتشار تک، خواب کا قتل اور انتظامی دھوکہ



پس منظر: ایک خالی خزانہ، ایک اجڑا ملک

14 اگست 1947 کو پاکستان معجزے سے بنا تھا، لیکن خزانہ خالی تھا۔ تقسیم کے فارمولے کے تحت پاکستان کو برطانوی ہند کے کل اثاثوں کا 17.5٪ ملنا تھا، تقریباً 4 ارب روپے۔ بھارت نے پہلی قسط 200 ملین کے بعد باقی رقم روک لی۔ قائد اعظم نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو خود خط لکھا، جواب نہ آیا۔ اسی پیسے سے ہتھیار اور ریلوے کا سامان خریدنا تھا۔

انتظامی ارتقاء: مہاجرین کا سمندر اور زمینوں پر قبضہ

تقریباً 1.5 کروڑ مہاجرین۔ کراچی کی آبادی 1947 میں 3 لاکھ، 1951 میں 10 لاکھ۔ کوئی گھر نہیں، کوئی رجسٹر نہیں۔

- **زمینوں کا فراڈ:** لاہور، کراچی، سیالکوٹ میں ہجرت کرنے والے ہندوؤں اور سکھوں کی خالی جائیدادیں "متروکہ املاک" قرار پائیں۔ کسٹوڈین ڈیپارٹمنٹ بنا۔ لیکن ملی بھگت سے کلرکوں نے جعلی کلیم بنائے۔ ایک کنال کا دعویٰ، 10 کنال الاٹ۔ کراچی میں 1952 کی سرکاری رپورٹ کے مطابق 40٪ کلیم بوگس نکلے۔ اصل مستحق مہاجر خیموں میں، بااثر کلرکوں کے رشتہ دار بنگلوں میں۔
- **عوامی تکلیف:** عام آدمی کے لیے راشن کارڈ، کپڑے کا پرمٹ، مٹی کے تیل کا کوٹہ۔ رشوت عام۔ 1948 میں ڈان اخبار نے لکھا "ہر میز پر 10 روپے رکھو تو فائل چلے گی"۔

سیاسی قتل نمبر 1: قائد اعظم کی موت

11 ستمبر 1948۔ قائد اعظم کو تپ دق تھا، لیکن سرکاری طور پر زکام بتایا گیا۔ زیارت میں قیام۔ آخری دنوں میں ایمبولینس خراب، 2 گھنٹے سڑک پر کھڑی رہی۔ ان کے پرسنل ڈاکٹر ڈاکٹر الہی بخش کی ڈائری کے مطابق قائد نے کہا تھا "میں نے پاکستان اس لیے نہیں بنایا تھا کہ افسر شاہی اور چند خاندان اس پر قبضہ کر لیں"۔

ذمہ دار کون؟ براہ راست کوئی نہیں، لیکن نظام کی بے حسی نے بانی کو تنہا مارا۔ فائدہ کس کا؟ نوکر شاہی کا، جس نے قائد کے بعد کھل کر اقتدار سنبھالا۔

سیاسی قتل نمبر 2: لیاقت علی خان کا قتل — جمہوریت کا پہلا خون

16 اکتوبر 1951، کمپنی باغ راولپنڈی۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان تقریر کر رہے تھے، "شیر وانی کا جیب خرچ" والا جملہ بولا ہی تھا کہ سید اکبر نے دو گولیاں مار دیں۔ قاتل موقع پر مارا گیا، تفتیش کبھی مکمل نہ ہوئی۔

خفیہ دستاویزات کیا کہتی ہیں؟ امریکی محکمہ خارجہ کی ڈی کلاسیفائیڈ فائل FRUS 1951 کے مطابق لیاقت علی خان امریکہ سے فوجی اڈے دینے سے انکار کر رہے تھے اور روس کے دورے کی تیاری کر رہے تھے۔ اسی ہفتے راولپنڈی سازش کیس (1951) میں فیض احمد فیض سمیت فوجی افسران گرفتار ہوئے تھے۔ عوام میں آج تک سوال زندہ ہے کہ اکبر اکیلا تھا یا کسی بڑی سازش کا مہرہ؟

اثر: لیاقت کے بعد کوئی عوامی لیڈر نہ رہا۔ اقتدار سیدھا گورنر جنرل غلام محمد اور سکندر مرزا جیسے بیوروکریٹس کے ہاتھ میں چلا گیا۔

قائد کے حکم سے فوجی سربراہ کا انکار — اسٹیبلشمنٹ کی پہلی بغاوت

یہ پاکستان کی تاریخ کا سب سے دبایا گیا واقعہ ہے۔ 1947 میں کشمیر پر بھارتی قبضے کے بعد قائد اعظم نے آرمی چیف جنرل ڈگلس گریسی کو حکم دیا کہ فوج کو کشمیر بھیجو۔ گریسی نے صاف انکار کر دیا اور کہا "میں برطانوی سپریم کمانڈر سے اجازت لیے بغیر پاکستانی فوج کو حرکت نہیں دے سکتا"۔ قائد نے اسی وقت کہا تھا "یہ میری فوج نہیں"۔ یہ وہ پہلا لمحہ تھا جب وردی نے سویلین وزیر اعظم کے حکم کو ماننے سے انکار کیا، اور یہ روایت 1958، 1977 اور 1999 تک چلی۔

ذمہ دار: برطانوی باقیات پر کھڑا عسکری ڈھانچہ۔ نقصان: کشمیر آج تک ادھورا۔

انتظامی موت: 1954 میں آئین ساز اسمبلی کی برطرفی

1954 میں بنگالی اکثریت والی آئین ساز اسمبلی نے وزیر اعظم کے اختیارات بڑھانے اور گورنر جنرل کے اختیارات کم کرنے کا بل پاس کیا۔ گورنر جنرل غلام محمد نے جو خود شدید بیمار تھا، اسمبلی ہی برطرف کر دی۔ مولوی تمیز الدین کیس میں چیف جسٹس منیر نے نظریہ ضرورت ایجاد کر کے اس غیر آئینی اقدام کو جائز قرار دے دیا۔

یہی وہ دن تھا جب پاکستان میں قانون کی حکمرانی دفن ہوئی۔ اسی فیصلے نے ایوب خان کو 1958 میں مارشل لا لگانے کا جواز دیا۔

یہ وہ 11 سال تھے جنہوں نے اگلے 70 سال کا نقشہ بنا دیا۔

ساٹھ کی دہائی(1958-1969):"ایشیائی ٹائیگر"کا ادھورا خواب اور سیاسی اعتماد کا قتل



1960 کی دہائی میں پاکستان کی معاشی شرح نمو **6.8 فیصد** کی بلند ترین سطح پر تھی اس دور میں ملک نے منگلا اور تربیلا ڈیمز جیسے میگا ہائیڈرو پراجیکٹس کی تعمیر شروع کی اور پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز ایشیا کی صفِ اول کی ایئر لائن بن کر ابھری۔

- **پلاننگ کمیشن کے خفیہ دستاویزات کا انکشاف :** اس دور کے چیف اکانومسٹ **ڈاکٹر محبوب الحق** کی اصل دستاویزی رپورٹس کے مطابق، اس تیز ترین صنعتی ترقی کا فائدہ عام آدمی کو نہیں ملا۔ ان کے تاریخی تجزیے نے ثابت کیا کہ ملک کے **80 فیصد بینکنگ اثاثے**، **70 فیصد انشورنس فنڈز** اور **66 فیصد صنعتی اثاثے** صرف **22 خاندانوں** کے ہاتھوں میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔

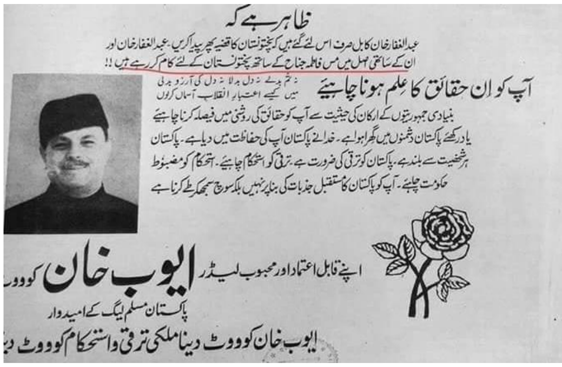
- **عالمی تقابل (جنوبی کوریا) :** 1960 میں جنوبی کوریا کا ایک وفد پاکستان کے "دوسرے پانچ سالہ معاشی منصوبے" کا مطالعہ کرنے کراچی آیا تھا۔ اس وقت پاکستان کا فی کس جی ڈی پی تقریباً 90 ڈالر تھا اور کوریا کا 150 ڈالر کے قریب۔ پاکستان نے اپنے ماڈل کو صرف داخلی مارکیٹ اور گنتی کے چند صنعت کاروں تک محدود رکھا، جبکہ جنوبی کوریا نے برآمدات پر مبنی ترقی کا راستہ اپنا کر خود کو عالمی معاشی طاقت بنا لیا۔

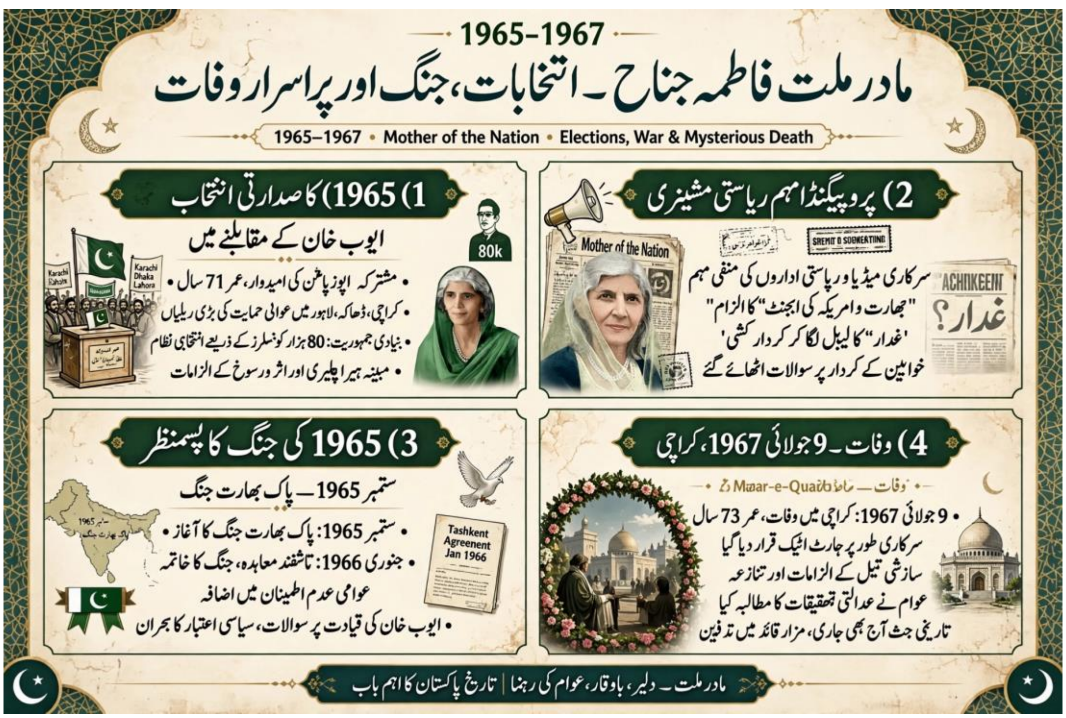
اسٹیبلشمنٹ، syntax اور بیوروکریسی کا گٹھ جوڑ

جنرل ایوب خان نے ملک کو معاشی اشاریے تو دیے، لیکن پاکستان کے سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کی بنیادیں ہمیشہ کے لیے ہلا دیں۔

- **بنیادی جمہوریت کا نظام 1959 :** میں ایوب خان نے کروڑوں عوام سے براہِ راست ووٹ کا حق چھین کر 80,000 کونسلرز پر مشتمل ایک کٹھ پتلی الیکٹورل کالج بنایا۔ اس نظام نے نچلی سطح پر مقامی انتظامیہ اور پولیس کو سیاسی وفاداریوں کے لیے استعمال کرنا شروع کیا، جس سے ملکی تاریخ میں پہلی بار بیوروکریسی اور مقتدرہ کا گٹھ جوڑ سرکاری سطح پر قائم ہوا۔

- **مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ روا رکھا گیا سلوک 1965 :** کے صدارتی انتخابات میں جب بانیِ پاکستان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح آمریت کے خلاف اپوزیشن کی مشترکہ امیدوار بنیں، تو ان کے خلاف ریاستی طاقت کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ سرکاری پروپیگنڈا سیل نے مادرِ ملت پر "بھارت اور امریکہ کی ایجنٹ" ہونے کا غلیظ الزام لگایا۔ کراچی اور ڈھاکہ جیسے بڑے شہروں میں عوامی لہر ان کے ساتھ تھی، لیکن بی ڈی کونسلرز کے ذریعے انتخابی نتائج کو راتوں رات بدلا گیا۔ خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹس کے مطابق، اس منظم دھاندلی نے مشرقی پاکستان کے عوام کا مغربی پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ پر سے آخری سیاسی اعتماد بھی ختم کر دیا، جس نے آگے چل کر علیحدگی کی بنیاد رکھی۔



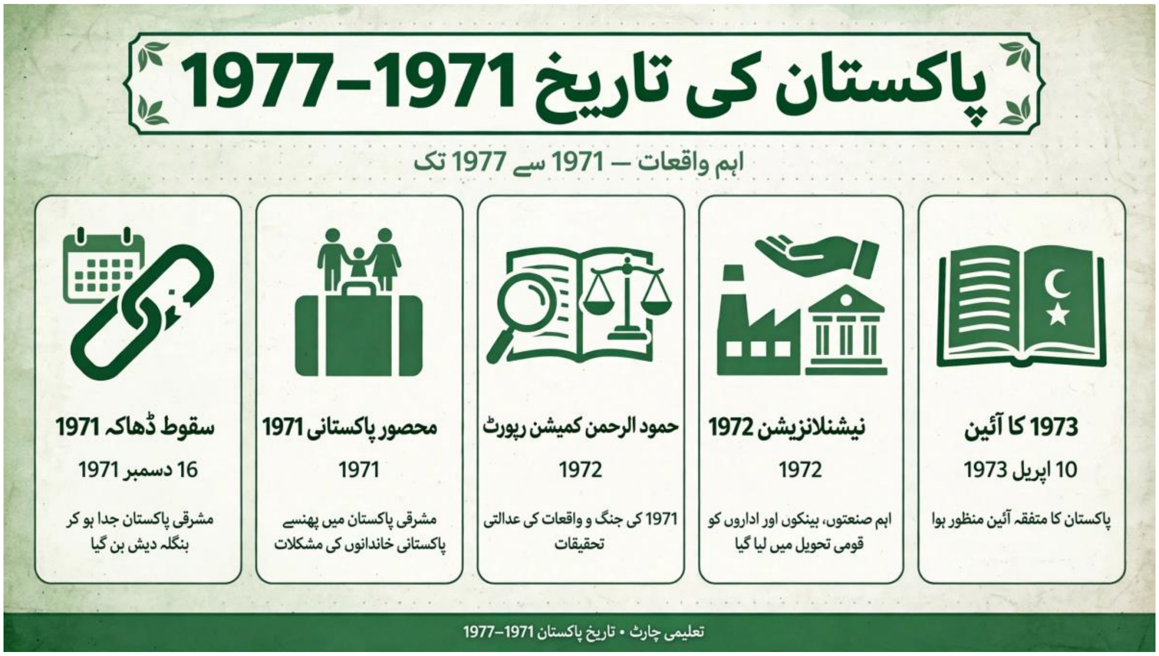


- **ذمہ دار کون تھا؟** جنرل ایوب خان، مقتدرہ اور ان کے وفادار بیوروکریٹس۔

- **فائدہ کس کا ہوا؟** 22 بڑے صنعتی خاندان اور اسٹیبلشمنٹ کا اثر و رسوخ۔

- **نقصان کس کا ہوا؟** ملکی سیاسی ساکھ کا، وفاق کے اتحاد کا اور عام متوسط طبقے کا۔

ستر کی دہائی (1971–1977): سقوطِ ڈھاکہ، حمود الرحمن کمیشن اور نیشنلائزیشن کا جھٹکا



یہ دہائی پاکستان کی تاریخ کا سب سے تاریک اور عبرت ناک باب ہے۔ 1971 میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی (بنگلا دیش کا قیام) محض ایک جغرافیائی نقصان نہیں تھا، بلکہ اس سانحے سے پاکستان کی آدھی سے زیادہ آبادی اور **40 فیصد جی ڈی پی** کا حصہ ایک ہی جھٹکے میں الگ ہو گیا۔

حمود الرحمن کمیشن رپورٹ اور اسٹریٹجک و انتظامی ناکامی

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد بننے والے **حمود الرحمن کمیشن** کی خفیہ دستاویزات جب منظرِ عام پر آئیں، تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ایک فوجی شکست نہیں تھی، بلکہ ایک مجموعی انتظامی اور سیاسی دیوالیہ پن تھا۔ رپورٹ میں واضح کیا گیا کہ جرنیلوں کے سیاسی عزائم، مشرقی پاکستان کے سویلین معاملات میں حد سے زیادہ فوجی مداخلت، اور بیوروکریسی کی نااہلی نے مل کر ملک کو اس نہج پر پہنچایا۔ کمانڈ اینڈ کنٹرول کے ڈھانچے میں ہم آہنگی کا فقدان تھا اور اسٹریٹجک فیصلے زمینی حقائق کے بجائے ذاتی انا کی بنیاد پر کیے گئے۔

سوشلزم کا معاشی اور انتظامی حملہ

1972 میں ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے بعد "اسلامک سوشلزم" کے نام پر **نیشنلائزیشن (قومیانے)** کی پالیسی نافذ کی:



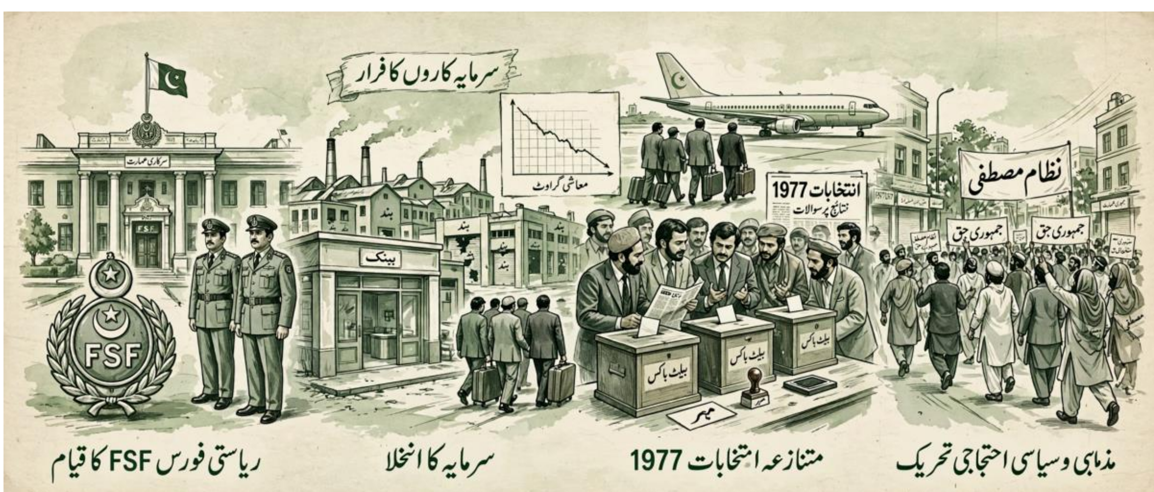
- **انتظامیہ پر کاری ضرب :** بھٹو نے 1973 کے آئین کے ذریعے سول سروس کا آئینی تحفظ ختم کر کے "لیٹرل انٹری" کا نظام متعارف کرایا۔ اس نظام کے تحت سول سروس میں میرٹ کے بجائے سیاسی بھرتیاں شروع ہوئیں، جس نے پاکستان کی مضبوط اور غیر جانبدار بیوروکریسی کو ہمیشہ کے لیے سیاست زدہ اور نااہل بنا دیا۔ داؤد، سیگل اور جعفر برادرز جیسے بڑے صنعتی گروپ اپنا سرمایہ لے کر بیرونِ ملک چلے گئے، جس سے پاکستان کا انویسٹر ٹرسٹ مستقل طور پر تباہ ہو گیا۔

- **ذمہ دار کون تھا؟** مقتدرہ کے شکست خوردہ جرنیل (1971 تک) اور بعد میں ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی حکومت اور ان کے اشتراکی مشیر۔

- **فائدہ کس کا ہوا؟** سرکاری بیوروکریسی اور پارٹی کارکنان (جنہیں منافع بخش سرکاری اداروں کے کنٹرول اور نوکریاں ملیں)۔

- **نقصان کس کا ہوا؟** ملکی صنعتی بنیادوں کا، سول سروس کے معیار کا اور وفاقی یکجہتی کا۔





اسی کی دہائی(1977–1988):افغان جنگ, ڈالر اکانومی اور سماجی بگاڑ

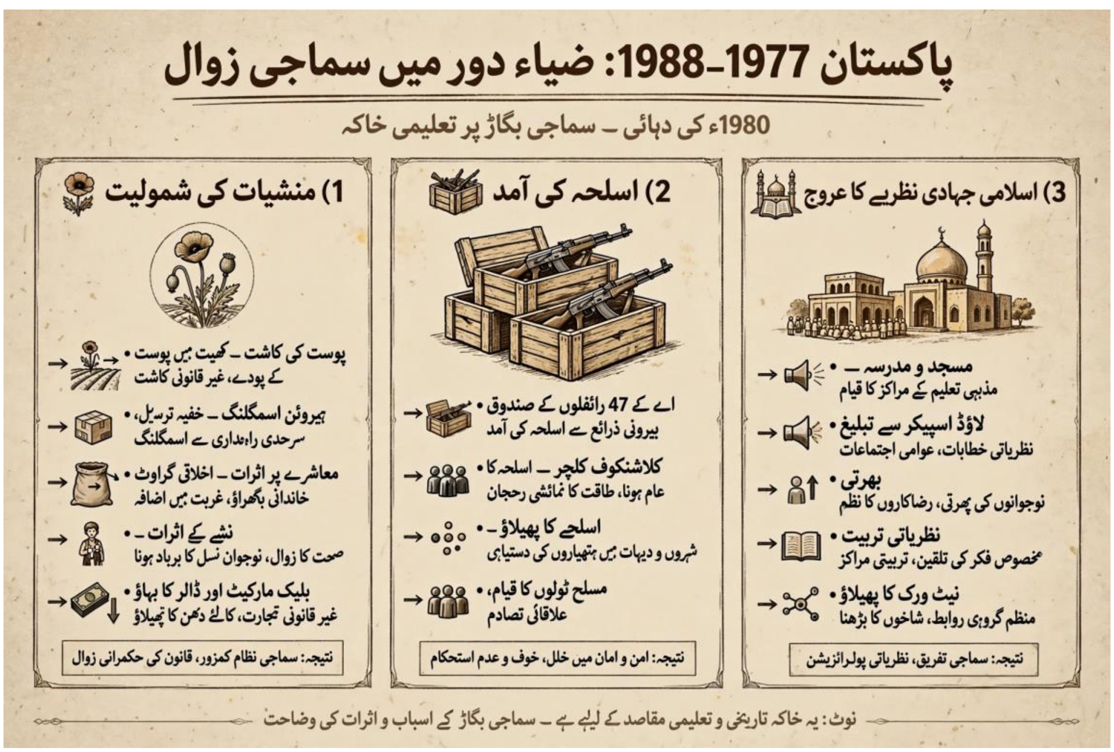
جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دور میں پاکستان کی معاشی شرح نمو بظاہر **6.5 فیصد** پر پہنچ گئی ، لیکن یہ ترقی کسی صنعتی یا انتظامی ریفارم کا نتیجہ نہیں تھی، بلکہ یہ ایک بیرونی امداد پر چلنے والا عارضی بلبلہ تھا۔

- **عالمی تقابل (ملائیشیا) :** اسی دور میں ملائیشیا میں مہاتیر محمد نے اقتدار سنبھالا۔ انہوں نے کسی بیرونی جنگ کا حصہ بننے کے بجائے الیکٹرانکس، مینوفیکچرنگ اور پام آئل کی برآمدات پر توجہ دی اور اپنے ملک کو ترقی یافتہ بنا دیا۔ دوسری طرف، پاکستان کرائے کی معیشت بن چکا تھا۔

- **انتظامی اور سیاسی خرابی :** افغان جنگ کے فرنٹ لائن اسٹیٹ بننے کے عوض امریکہ اور عالمی اداروں سے اربوں ڈالر کی امداد اور اوورسیز پاکستانیوں کے پیسے ملک میں آئے۔ ضیاء حکومت نے اس سرمائے کو طویل مدتی صنعتی اور تعلیمی ڈھانچے پر خرچ کرنے کے بجائے سیاسی وفاداریاں خریدنے اور بلدیاتی فنڈز کے ذریعے نظام چلانے پر اڑا دیا۔ اسی دور میں غیر جماعتی انتخابات (1985) کروا کر پاکستان کی سیاست سے نظریات کا خاتمہ کیا گیا اور سیاست میں پیسے اور برادری ازم کا کلچر داخل کیا گیا۔

سماجی اور عوامی قیمت

اس دور کی سب سے ہولناک قیمت پاکستان کے معاشرے نے ادا کی۔ افغان جنگ کے اثرات کے طور پر ملک میں **کلاشنکوف کلچر، ہیروئن کی اسمگلنگ اور شدید فرقہ واریت** پھیلی۔ اسٹریٹجک گہرائی کی پالیسی کے تحت عسکری نیٹ ورک نے داخلی امور میں مداخلت کو مزید بڑھایا، جس نے ملک کو سیکیورٹی اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا اور آنے والی کئی دہائیوں کے لیے بیرونی سرمایہ کاری کے دروازے بند کر دیے۔



نوے کی دہائی (1988-1999): سیاسی "میوزیکل چیئرز" اور آئی ایم ایف کا جال

یہ دور پاکستان میں سیاسی عدم استحکام اور مقتدرہ کی بالواسطہ مداخلت کا بدترین نمونہ تھا۔ معاشی شرح نمو گر کر **4.6 فیصد** پر آ گئی۔

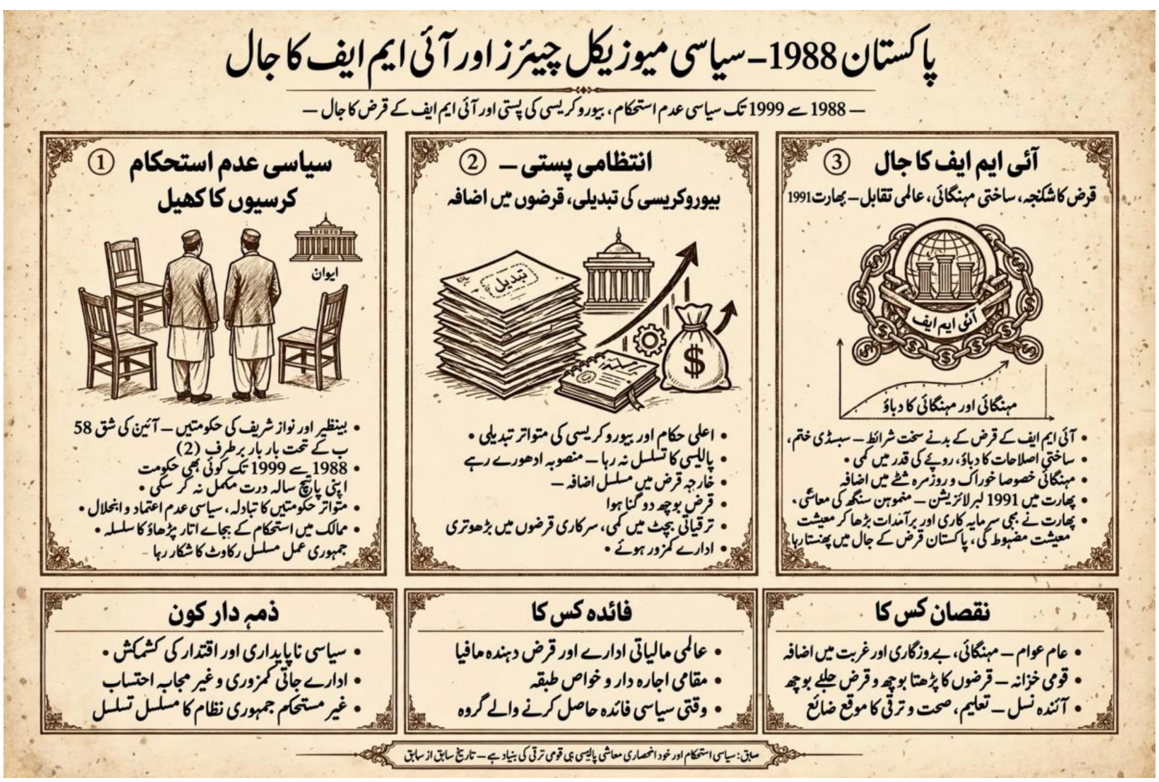
- **عالمی تقابل (بھارت) :** 1991 میں ہندوستان شدید معاشی دیوالیہ پن کے قریب تھا، لیکن انہوں نے منموہن سنگھ کے تحت اپنی معیشت کو دنیا کے لیے کھول دیا (لبرلائزیشن)۔ دوسری طرف، پاکستان سیاسی جنگوں میں مصروف تھا۔

- **انتظامی اور سیاسی پستی :** بینظیر بھٹو اور نواز شریف کی حکومتوں کو بار بار آئین کی دفعہ 58 (2) b اور صدر کے ذریعے اسٹیبلشمنٹ کے ایما پر توڑا گیا۔ کوئی بھی حکومت اپنے 5 سال پورے نہ کر سکی۔ بیوروکریسی ہر دو سال بعد نئی حکومت کے آنے پر بدل دی جاتی، جس سے انتظامی تسلسل مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ اس سیاسی کھینچا تانی کے دوران ملکی قرضے اس حد تک بڑھ گئے کہ پاکستان پہلی بار انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (آئی ایم ایف) کے سخت ترین اور تاحیات قرضوں کے چکر میں پھنس گیا۔ بدعنوانی کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا اور اداروں کے بجائے افراد مضبوط ہوتے گئے۔

- **ذمہ دار کون تھا؟** مقتدرہ (جس نے غلام اسحاق خان اور دیگر مہروں کے ذریعے وزرائے اعظم کو گھر بھیجا) اور آپس میں برسرِپیکار سیاست دان۔

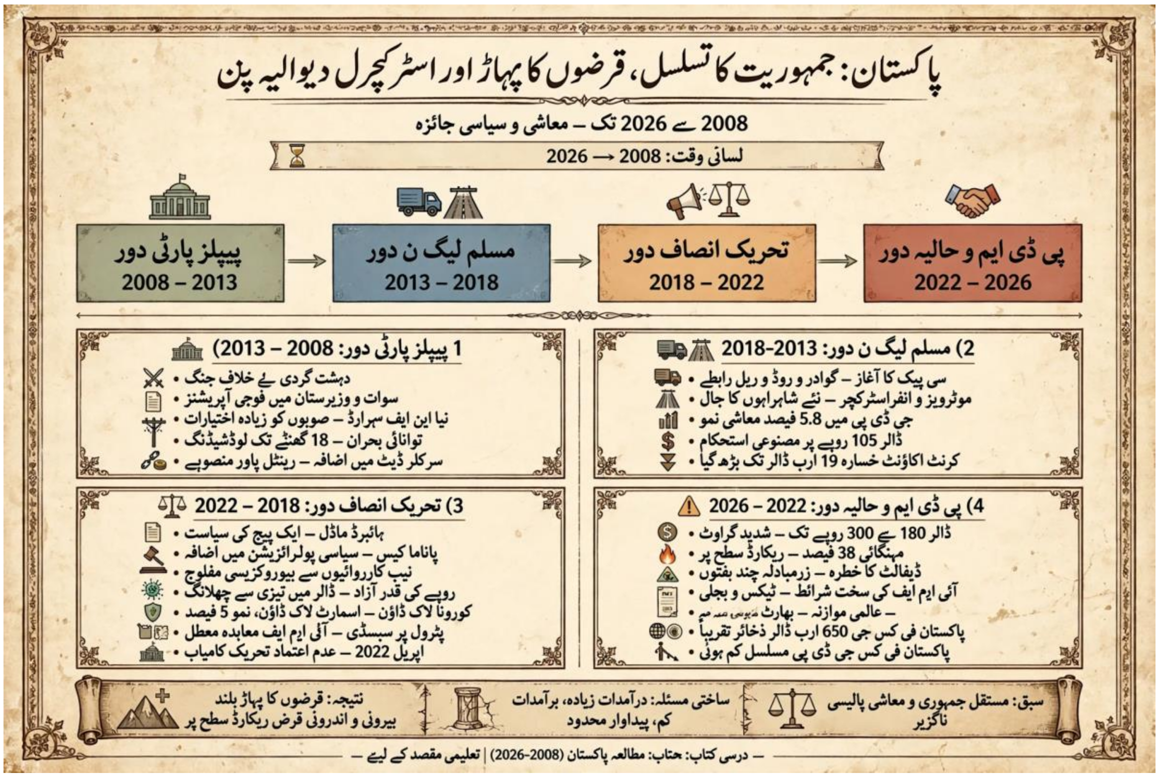
- **فائدہ کس کا ہوا؟** کرپٹ بیوروکریٹس، مڈل مین اور آف شور کمپنیوں کے مالکان۔

- **نقصان کس کا ہوا؟** عام عوام کا، جن پر پہلی بار ساختی مہنگائی کا بوجھ لدا۔



دوہزار اٹھ (2008) کے بعد کا دور: جمہوریت کا تسلسل، قرضوں کا پہاڑ اور اسٹرکچرل دیوالیہ پن

سال 2008 کے بعد پاکستان کی سیاسی تاریخ میں پہلی بار سویلین حکومتوں نے اپنی آئینی مدت (5 سال) پوری کرنا شروع کی، لیکن پس پردہ مقتدرہ کی مداخلت، "ہائبرڈ پلس" ماڈلز اور معاشی نااہلی نے ملک کو تاریخ کے بدترین بحران میں دھکیل دیا۔ اس دور کو تین مختلف سیاسی حکومتوں اور حالیہ عبوری و نئی ترتیبات کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے:



الف۔ پاکستان پیپلز پارٹی دور (2008–2013): دہشت گردی کی جنگ اور آئینی تبدیلیاں

جنرل مشرف کے استعفے اور محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد پیپلز پارٹی نے اقتدار سنبھالا۔ یہ دور داخلی سطح پر دہشت گردی کے خلاف بدترین جنگ (سوات اور وزیرستان آپریشنز) کا دور تھا۔

- **انتظامی وسیاسی موڑ :** اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ **18 ویں آئینی ترمیم** اور **این ایف سی ایوارڈ** تھا، جس کے تحت صوبوں کو تاریخی مالیاتی اور انتظامی خود مختاری دی گئی۔ لیکن اس کا دوسرا رخ یہ نکلا کہ وفاق کے پاس اپنے اخراجات چلانے کے لیے پیسے کم پڑ گئے اور صوبوں نے ٹیکس اکٹھا کرنے کے اپنے نظام کو مضبوط نہیں کیا۔

- **معاشی و انتظامی تباہی :** توانائی کے بدترین بحران (بجلی کی 18 گھنٹے لوڈشیڈنگ) نے ملکی صنعت کو بنگلا دیش منتقل ہونے پر مجبور کر دیا۔ رینٹل پاور پراجیکٹس میں بدعنوانی اور سرکلر ڈیٹ (گردشی قرضے) کا جن اسی دور میں پیدا ہوا جس نے معیشت کا گلا گھونٹ دیا۔

ب۔ پاکستان مسلم لیگ ن دور (2013–2018): سی پیک کا عروج اور امپورٹڈ گروتھ

نواز شریف کی حکومت نے بنیادی ڈھانچے (انفراسٹرکچر) پر توجہ مرکوز کی اور چین کے ساتھ مل کر **سی پیک (CPEC)** کا تاریخی معاہدہ کیا۔

- **معاشی اشاریے :** بجلی کے نئے کارخانے لگائے گئے، موٹرویز کا جال بچھایا گیا اور بظاہر معیشت 5.8 فیصد کی شرح سے بڑھنے لگی۔
- **ہم سے کہاں غلطی ہوئی؟** اس ترقی کی بنیاد بھی مینوفیکچرنگ یا برآمدات پر نہیں تھی، بلکہ یہ چینی قرضوں اور امپورٹڈ مشینری پر مبنی تھی۔ ڈالر کی قیمت کو مصنوعی طور پر 105 روپے پر روک کر رکھا گیا (اسحاق ڈار کی پالیسی)، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملکی برآمدات مزید گر گئیں اور امپورٹس ریکارڈ سطح پر پہنچ گئیں۔ جب یہ حکومت ختم ہوئی، تو ملک کا کرنٹ اکاؤنٹ خسارہ 19 ارب ڈالر کی تاریخی سطح پر تھا۔

ج۔ پاکستان تحریکِ انصاف دور (2018–2022): سیاسی پولرائزیشن، ہائبرڈ ماڈل اور کورونا بحران

عمران خان کی حکومت مقتدرہ اور سویلین قیادت کے ایک "ایک پیج" (ہائبرڈ ماڈل) کے دعوے کے ساتھ اقتدار میں آئی۔

- **سیاسی و انتظامی پستی :** پاناما کیس کے بعد ملک میں سیاسی انتقام اور پولرائزیشن اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ بیوروکریسی نیب (NAB) کے ڈر سے فیصلے کرنے سے معذور ہو گئی، جس سے ملک کا انتظامی ڈھانچہ بالکل مفلوج ہو گیا۔ پنجاب جیسے بڑے صوبے میں بار بار آئی جیز اور چیف سیکریٹریز کی تبدیلی نے گورننس کا جنازہ نکال دیا۔
- **معاشی جھٹکے :** حکومت نے روپے کو آزاد کیا تو ڈالر یکدم چھلانگ لگا گیا، جس سے مہنگائی کا طوفان آیا۔ کورونا وبا کے دوران بہترین اسمارٹ لاک ڈاؤن پالیسی کی وجہ سے معیشت کو سنبھالا ملا اور گروتھ 5 فیصد سے اوپر گئی، لیکن آئی ایم ایف کی سخت شرائط کو آخری دنوں میں توڑنے (پٹرولیم پر سبسڈی دینے) کے فیصلے نے معیشت کو بارود کے ڈھیر پر لا کھڑا کیا۔ اپریل 2022 میں ملکی تاریخ میں پہلی بار تحریکِ عدم اعتماد کے ذریعے عمران خان کو ہٹایا گیا، جس کے بعد اسٹیبلشمنٹ اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ بدترین دراڑ کا شکار ہو گیا۔

د۔ پی ڈی ایم اور حالیہ دور (2022–2026): ڈیفالٹ کا دہانہ اور تاریخی معاشی نچلا پن

شہباز شریف کی قیادت میں پی ڈی ایم حکومت اور اس کے بعد آنے والے سیٹ اپس کے دوران پاکستان تاریخ کے بدترین معاشی اور سیاسی بحران سے گزرا۔

- **مہنگائی اور کرنسی کی تباہی :** ڈالر 180 روپے سے اڑتا ہوا 280–300 روپے کی سطح پر جا پہنچا۔ ملک میں مہنگائی کی شرح 38 فیصد سے تجاوز کر گئی، جو پاکستان کی تاریخ کا اب تک کا سب سے بڑا ریکارڈ ہے۔ پٹرول، بجلی اور گیس کی قیمتیں عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہو گئیں۔
- **ڈیفالٹ کا خطرہ اور آئی ایم ایف پر مکمل انحصار :** ملک کے زرمبادلہ کے ذخائر بمشکل چند ہفتوں کی امپورٹ کے برابر رہ گئے۔ پاکستان آئی ایم ایف کی کڑی شرائط کے سامنے مکمل طور پر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوا، جس کے نتیجے میں غریب اور متوسط طبقے پر ٹیکسوں کا بے پناہ بوجھ لاد دیا گیا جبکہ اشرافیہ، ریل اسٹیٹ اور بڑے جاگیرداروں کو اب بھی مراعات حاصل رہیں۔

- **عالمی موازنہ (2026 کی حقیقت) :** آج بھارت کے زرمبادلہ کے ذخائر 650 ارب ڈالر سے زیادہ ہیں اور بنگلادیش کے ذخائر شدید بحران کے باوجود پاکستان سے کہیں بہتر حالت میں ہیں۔ پاکستان کا فی کس جی ڈی پی خطے میں سب سے نیچے گر چکا ہے، اور ملکی پاسپورٹ کی ساکھ بدترین سطح پر ہے۔

ملکی سطح پر ادا کی جانے والی مجموعی قیمت

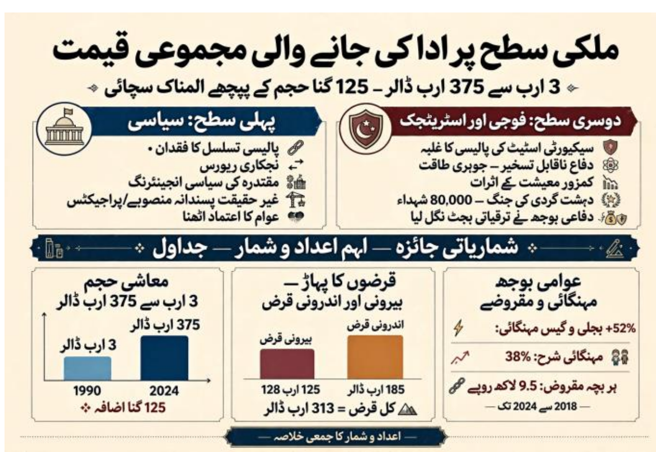
پاکستان کے اس 125 گنا بڑے معاشی حجم (3 ارب سے 375 ارب ڈالر) کے پیچھے ایک المناک سچائی چھپی ہے ۔ یہ ترقی عوام کی فلاح کے بجائے قرضوں اور اشرافیہ کی مراعات کی مرہونِ منت رہی، جس کی قیمت چاروں سطحوں پر ادا کرنی پڑی:

1. **سیاسی سطح :** ملک میں کبھی بھی پالیسیوں کا تسلسل قائم نہیں ہو سکا۔ ایک حکومت اکر نجکاری کرتی ہے، تو اگلی اکر اسے ریورس کر دیتی ہے۔ مقتدرہ کی مسلسل سیاسی انجنیئرنگ اور "پراجیکٹس" کی تخلیق نے ملک میں ایک حقیقی، پائیدار اور جوابدہ سویلین قیادت کو پنپنے ہی نہیں دیا، جس سے عوام کا پورے سیاسی نظام سے اعتماد اٹھ چکا ہے۔

2. **فوجی اور اسٹریٹجک سطح :** سیکیورٹی اسٹیٹ کے بیانیے نے پاکستان کے دفاع کو تو ناقابلِ تسخیر بنا دیا اور ہم ایک جوہری طاقت بن گئے، لیکن کمزور معیشت اور داخلی سیکیورٹی کی جنگوں (جیسے دہشت گردی کے خلاف جنگ جس میں 80,000 سے زائد پاکستانی شہید ہوئے) نے ملک کو اندرونی طور پر کھوکھلا کر دیا۔ معیشت کے حجم سے زیادہ دفاعی اور اسٹریٹجک بوجھ نے ترقیاتی بجٹ کو نگل لیا۔

3. **انتظامی سطح :** پاکستان اسٹیل ملز، پی آئی اے اور ریلوے جیسے قومی ادارے جو کبھی اثاثہ تھے، بیوروکریسی کی نااہلی اور سیاسی بھرتیوں کی وجہ سے آج سالانہ اربوں روپے کے خسارے کے ساتھ قومی خزانے پر بوجھ بن چکے ہیں۔ میرٹ کا جنازہ نکلنے سے برین ڈرین ہوا اور تاریخ کا سب سے بڑا ڈاکٹرز، انجینئرز اور آئی ٹی ماہرین کا فرار (ملک چھوڑنا) اس وقت جاری ہے۔

4. **عوامی سطح (سب سے المناک) :** پاکستان کا عام شہری آج دنیا کے مہنگے ترین نرخوں پر بجلی اور گیس خریدنے پر مجبور ہے تاکہ حکمران طبقے، آئی پی پیز (IPPs) اور اشرافیہ کی سبسڈیز کا بوجھ اٹھا سکے۔ پاکستان انسانی ترقی کے اشاریے میں دنیا کے سب سے پسماندہ ممالک میں شمار ہوتا ہے۔ کروڑوں بچے اسکولوں سے باہر ہیں، پینے کا صاف پانی مفقود ہے، اور ملک کا ہر پیدا ہونے والا بچہ لاکھوں روپے کا مقروض ہے۔ یہ ہے وہ اصل قیمت جو اس دھرتی کے عوام نے اپنے حکمرانوں کی غلطیوں کے عوض ادا کی ہے۔

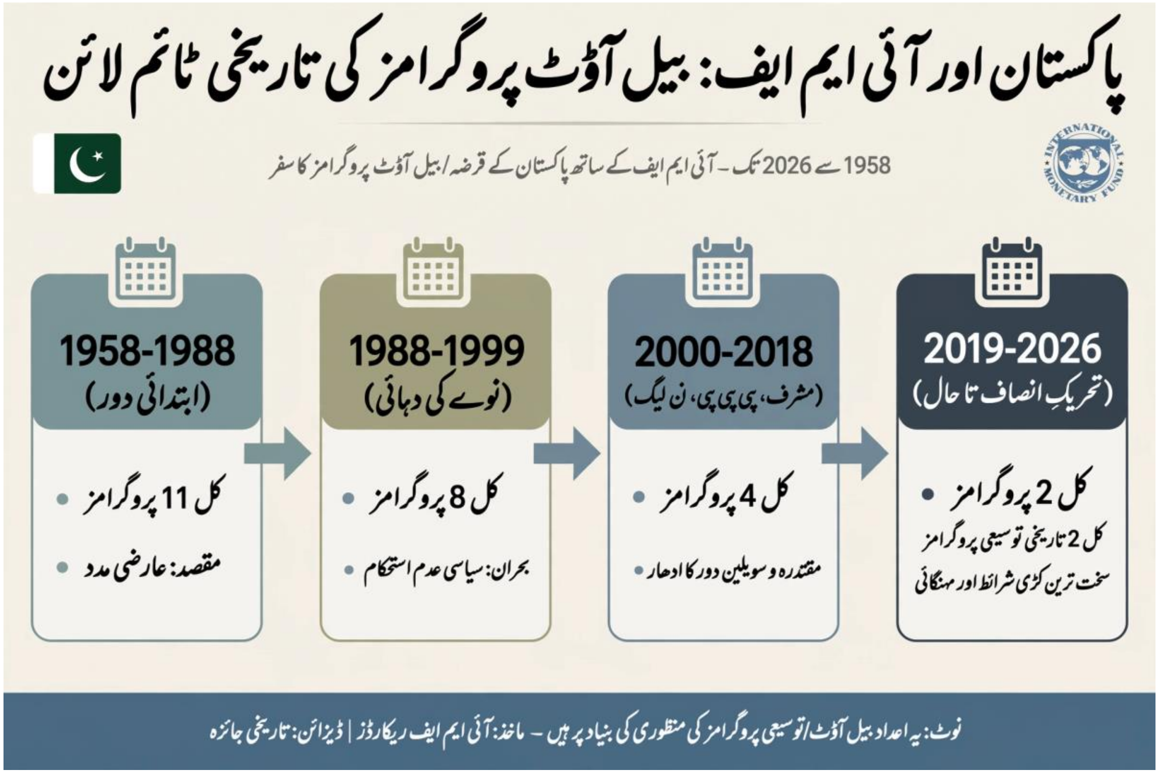


باب 2: آئی ایم ایف کے بیل آؤٹ پروگرامز اور ملکی معیشت کا اسٹرکچرل پوسٹ مارٹم

پاکستان کی معاشی تاریخ کا سب سے بڑا اور تلخ سچ یہ ہے کہ ملک کو اپنے اخراجات چلانے اور غیر ملکی قرضوں کی اقساط ادا کرنے کے لیے بار بار بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے دروازے پر دستک دینا پڑی۔ 1958ء سے لے کر حال ہی میں منظور ہونے والے 2024-2027ء کے توسیعی فنڈ پروگرام (ای ایف ایف) تک، پاکستان ریکارڈ 25 مرتبہ آئی ایم ایف پروگرامز کا حصہ بن چکا ہے۔

یہ طویل تاریخ ثابت کرتی ہے کہ پاکستان آئی ایم ایف کے قرضوں کے ایک ایسے دائمی چکر (قرض پر سود اور سود کی ادائیگی کے لیے نیا قرض) میں پھنس چکا ہے جہاں معاشی خود مختاری تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ نیچے دیے گئے دستاویزی جائزے میں ہم آئی ایم ایف پروگرامز کی تاریخ، ان کی کڑی شرائط، ان سے فائدہ اٹھانے والے طبقات اور عام عوام پر ٹوٹنے والے اثرات کا مکمل احاطہ کرتے ہیں۔

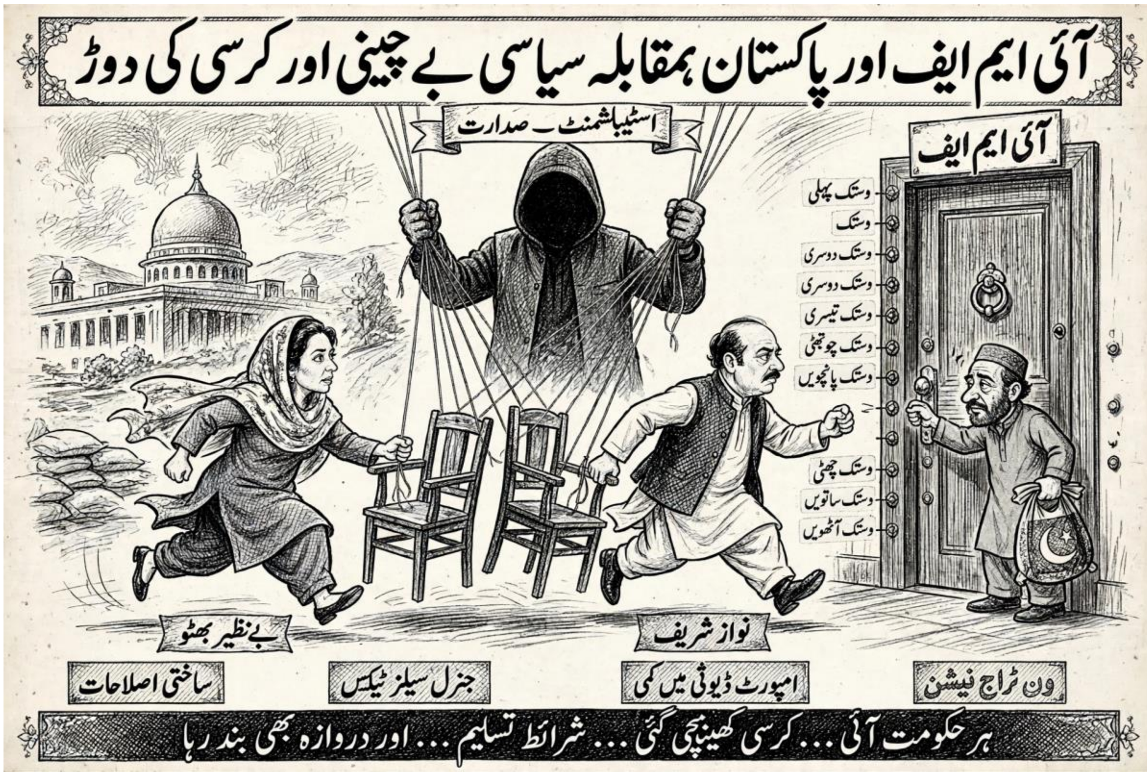




1۔ابتدائی دور(1958ء تا1988ء): عارضی معاشی سہاروں کا آغاز

اس دور میں پاکستان نے آئی ایم ایف کے ساتھ **11 معاہدے** کیے۔ ان میں سے زیادہ تر پروگرام "اسٹینڈ بائی ارینجمنٹس"(SBA) کے تحت تھے، جن کا مقصد عارضی طور پر زرمبادلہ کے ذخائر کو سہارا دینا تھا۔

- **پہلا پروگرام (1958ء):** جنرل ایوب خان کے دورِ حکومت میں ملک نے پہلی بار آئی ایم ایف سے 25 ملین ڈالر کا معاہدہ کیا، جس کی ضرورت بنیادی طور پر درآمدات کے بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے پڑی۔
- **ضیاء الحق کا دور (1980ء):** اس دور میں پاکستان نے آئی ایم ایف کے ساتھ ملکی تاریخ کا اس وقت کا سب سے بڑا 1.26 ارب ڈالر کا پروگرام (Extended Fund Facility) سائن کیا۔ اگرچہ افغان جنگ کی وجہ سے مغربی دنیا سے ڈالرز کی ریل پیل تھی، مگر اسٹرکچرل خامیاں دور نہ کی جا سکیں۔



2۔ نوے کی دہائی (1988ء تا 1999ء): سیاسی میوزیکل چیئرز اور آئی ایم ایف کی مستقل انٹری

یہ وہ دور تھا جب ملک میں بینظیر بھٹو اور نواز شریف کی حکومتیں بار بار مقتدرہ اور صدارتی اختیارات کے ذریعے گرائی جا رہی تھیں۔ اس سیاسی عدم استحکام کے باعث پاکستان نے صرف 11 سالوں میں **8 مرتبہ** آئی ایم ایف کے دروازے پر دستک دی۔

- **شرائط کا بدلا ہوا رخ:** اسی دور میں آئی ایم ایف نے پہلی بار پاکستان پر سخت ساختی اصلاحات (Structural Adjustments) نافذ کرنا شروع کیں، جن میں امپورٹ ڈیوٹیز میں کمی اور جنرل سیلز ٹیکس (GST) کا نفاذ شامل تھا۔ حکومتیں اپنی آئینی مدت پوری نہ کر پانے کی وجہ سے ان پروگرامز کو بیچ میں ہی چھوڑ دیتی تھیں، جس کی وجہ سے عالمی مالیاتی اداروں میں پاکستان کی ساکھ کو شدید نقصان پہنچا اور ملک کو "ون ڈیل نیشن" (پروگرام پورا نہ کرنے والا ملک) کہا جانے لگا۔

3۔ دو ہزار کا دور (2000ء تا 2018ء): ہائبرڈ اور سویلین ادوار کے بھاری قرضے

- **جنرل مشرف کا دور (2000ء):** نائن الیون سے عین پہلے پاکستان شدید معاشی پابندیوں کا شکار تھا اور ملک نے آئی ایم ایف سے قرض لیا۔ تاہم، بعد میں امریکی امداد کے بعد پاکستان نے 2004ء میں آئی ایم ایف کو عارضی طور پر خدا حافظ کہہ دیا۔
- **پیپلز پارٹی حکومت (2008ء):** عالمی مالیاتی بحران اور ملکی ذخائر گرنے کے بعد صدر آصف علی زرداری کے دور میں 7.6 ارب ڈالر کا پروگرام لیا گیا۔
- **مسلم لیگ ن حکومت (2013ء):** اسحاق ڈار اور نواز شریف کے دور میں 6.6 ارب ڈالر کا توسیعی فنڈ پروگرام لیا گیا۔ اس پروگرام کو ملکی تاریخ میں پہلی بار کامیابی سے مکمل کیا گیا، لیکن اس کی قیمت ملکی قرضوں میں بے پناہ اضافے اور بجلی کے نرخوں میں مسلسل اضافے کی صورت میں ادا کی گئی۔

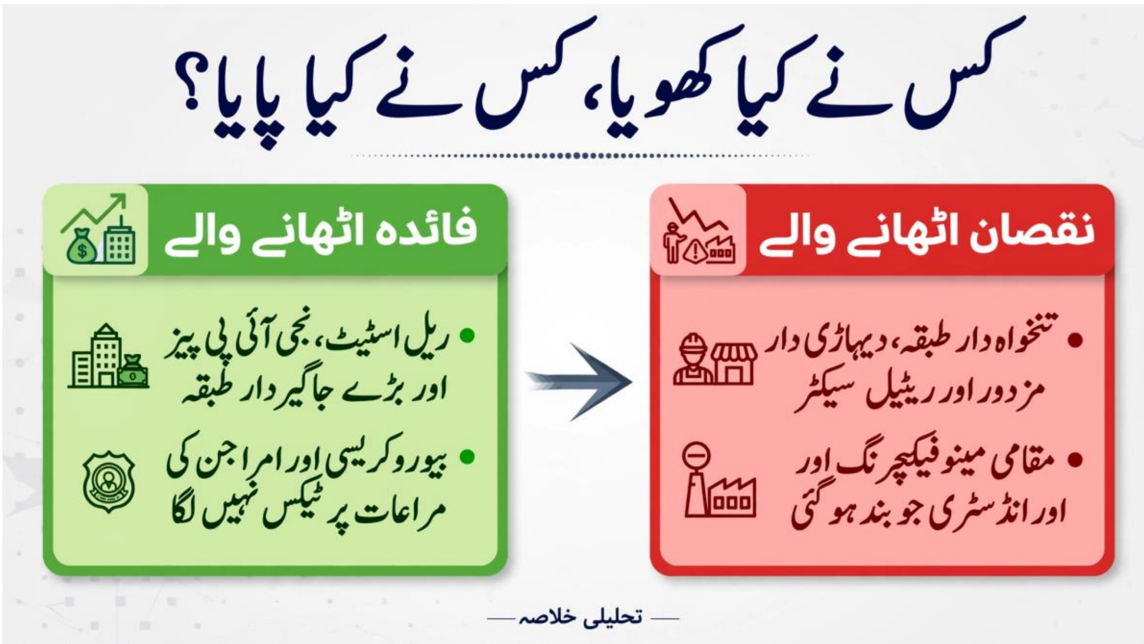
4۔ جدید ترین دور (2019ء تا 2026ء): کڑی شرائط، منی بجٹس اور تاریخی مہنگائی

پاکستان تحریکِ انصاف کے دور میں 2019ء میں دستخط ہونے والا 6 ارب ڈالر کا توسیعی پروگرام اور حال ہی میں ستمبر 2024ء میں منظور ہونے والا **7 ارب ڈالر کا نیا 37 مہینوں کا توسیعی فنڈ پروگرام (EFF)** پاکستان کی تاریخ کے سخت ترین پروگرامز ثابت ہوئے ہیں۔

- **آئی ایم ایف کی فرنٹ لوڈڈ کڑی شرائط:** اب آئی ایم ایف عارضی وعدوں پر قرض نہیں دیتا بلکہ وہ "سخت ترین اقدامات پہلے" (Prior Actions) مانگتا ہے۔ ان شرائط میں درج ذیل اقدامات شامل رہے ہیں:

1. **روپے کی قدر کو مارکیٹ کے سپرد کرنا:** جس کے نتیجے میں ڈالر 180 سے 280-300 روپے کی سطح پر پہنچ گیا اور ملکی تاریخ کا سب سے بڑا درآمدی مہنگائی کا طوفان آیا۔
2. **بجلی، گیس اور پٹرولیم مصنوعات پر سبسڈیز کا مکمل خاتمہ:** اور ان پر بھاری پٹرولیم لیوی کا نفاذ۔
3. **منی بجٹس اور ریکارڈ ٹیکسیشن:** فائلرز اور نان فائلرز پر انکم ٹیکس، سیلز ٹیکس اور ودہولڈنگ ٹیکسز کا دائرہ کار غریب اور متوسط طبقے تک پھیلانا۔
4. **مرکزی بینک (اسٹیٹ بینک) کی خودمختاری:** اسٹیٹ بینک کو سویلین حکومت کے کنٹرول سے آزاد کر کے آئی ایم ایف کے مانیٹری ہدف کے مطابق سود کی شرح کو 22 فیصد کی تاریخی بلند ترین سطح پر لایا گیا، جس سے ملکی صنعتوں کے لیے کاروبار کرنا ناممکن ہو گیا۔

آئی ایم ایف پروگرامز کا پوسٹ مارٹم: کس نے کیا کھویا، کس نے کیا پایا؟



ذمہ دار کون تھا؟

- **سیاسی اور عسکری حکمران طبقہ:** جنہوں نے ملک میں ٹیکس کلچر اور برآمدات بڑھانے کے لیے کبھی لانگ ٹرم اصلاحات نہیں کیں۔ ٹیکس نیٹ کو زراعت اور ریل اسٹیٹ جیسے بڑے شعبوں تک پھیلانے کے بجائے ہمیشہ شارٹ کٹ اپنائے گئے۔

- **بیوروکریسی اور غیر پیداواری اخراجات:** آئی ایم ایف پروگرامز کا بڑا حصہ حکومتی مشینری کو چلانے، سرکاری افسران کی مراعات اور نجی بجلی گھروں (IPPs) کو کیپیسٹی چارجز کی مد میں ڈالرز ادا کرنے پر خرچ ہوتا رہا۔

فائدہ کس نے اٹھایا؟

- **ریاستی اشرافیہ اور امراطبقہ:** آئی ایم ایف کی تمام تر سختیوں کے باوجود پاکستان کے بڑے جاگیرداروں، ریل اسٹیٹ مافیا اور ریٹیل سیکٹر کے بڑے تاجروں پر کبھی ان کی آمدن کے مطابق ٹیکس نہیں لگایا گیا۔ وہ اب بھی بھاری مراعات اور سبسڈیز سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

- **نجی بجلی گھر:** آئی ایم ایف کی شرط پر غریب کی بجلی تو مہنگی کی گئی، لیکن ان آئی پی پیز کے ساتھ کیے گئے ناقص اور یکطرفہ معاہدوں کو تبدیل نہیں کیا گیا، جس سے ڈالرز کا منافع مخصوص کمپنیوں کی جیبوں میں جاتا رہا۔

نقصان کس کا ہوا؟

- **تنخواہ دار اور مڈل کلاس طبقہ:** آئی ایم ایف کی شرائط کے تحت سب سے آسان ہدف نوکری پیشہ اور تنخواہ دار طبقہ بنا، جس کی سیلری پر ٹیکس کی شرح میں کئی گنا اضافہ کر دیا گیا۔
- **مقامی انڈسٹری اور مینوفیکچرنگ:** گیس اور بجلی کی قیمتیں خطے میں سب سے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں ٹیکسٹائل ملز اور چھوٹی صنعتیں مستقل طور پر بند ہو گئیں، جس سے لاکھوں لوگ بے روزگار ہو گئے۔

ملکی اور عوامی سطح پر ادا کی جانے والی مجموعی قیمت

آئی ایم ایف کے ان 25 پروگرامز کا سب سے دردناک اور ہولناک خمیازہ پاکستان کی عوام اور انتظامی ڈھانچے نے بھگتا ہے:

1. **سیاسی اور اسٹریٹجک قیمت :** پاکستان اب اپنے بجٹ، پٹرول اور بجلی کی قیمتوں کا فیصلہ اسلام آباد میں نہیں بلکہ آئی ایم ایف کے واشنگٹن ہیڈ کوارٹر کے احکامات کے مطابق کرنے پر مجبور ہے۔ ملکی پارلیمنٹ اور سویلین حکومتیں اب محض ایک انتظامی پوسٹ افس بن کر رہ گئی ہیں جو عالمی ادارے کے احکامات عوام پر نافذ کرتی ہیں، جس سے عوام کا جمہوریت پر سے اعتماد بالکل اٹھ چکا ہے۔
2. **انتظامی قیمت:** ترقیاتی بجٹ (PSDP) میں ہر سال آئی ایم ایف کے کہنے پر کٹوتی کی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں نئے اسپتال، پبلک اسکول، یونیورسٹیاں اور سڑکیں بننا تقریباً بند ہو چکی ہیں۔ بیوروکریسی کا پورا زور صرف نئے ٹیکس درآمد کرنے اور ریونیو بڑھانے پر ہے، نہ کہ سویلین سروسز کو بہتر بنانے پر۔
3. **عوامی اور سماجی قیمت**
   - **تاریخی مہنگائی اور غربت:** آئی ایم ایف کی حالیہ اصلاحات کے بعد پاکستان میں غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے والوں کی تعداد آبادی کے **40 فیصد** کے سنگین ہندسے کو چھو رہی ہے۔ مڈل کلاس طبقہ تیزی سے خطِ غربت سے نیچے گر رہا ہے۔
   - **انسانی ترقی کا بحران:** پاکستان انسانی ترقی کے اشاریے (HDI) میں خطے کے تمام ممالک (بشمول بنگلا دیش، نیپال اور بھارت) سے پیچھے کھڑا ہے۔ کروڑوں بچے غذائی قلت اور اسٹنٹنگ (قد کا نہ بڑھنا) کا شکار ہیں۔ غریب خاندان اپنی آمدن کا 60 سے 70 فیصد حصہ صرف بجلی کے بل اور راشن پر خرچ کرنے پر مجبور ہیں، جس کی وجہ سے بچوں کی تعلیم اور صحت ان کے لیے عیاشی بن چکی ہے۔
   - **تاریخ کا سب سے بڑا برین ڈرین:** اس معاشی مایوسی اور ٹیکسوں کے بھاری بوجھ کے ردِ عمل میں پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا برین ڈرین دیکھا جا رہا ہے۔ لاکھوں قابل ترین نوجوان ڈاکٹرز، آئی ٹی پروفیشنلز اور انجینئرز ملکی مستقبل سے ناامید ہو کر اپنے پاسپورٹ بیگز میں ڈالے خلیجی ممالک، یورپ اور کینیڈا کی طرف ہجرت کر رہے ہیں، جس سے ملک مستقل طور پر بہترین صلاحیتوں سے محروم ہو رہا ہے۔

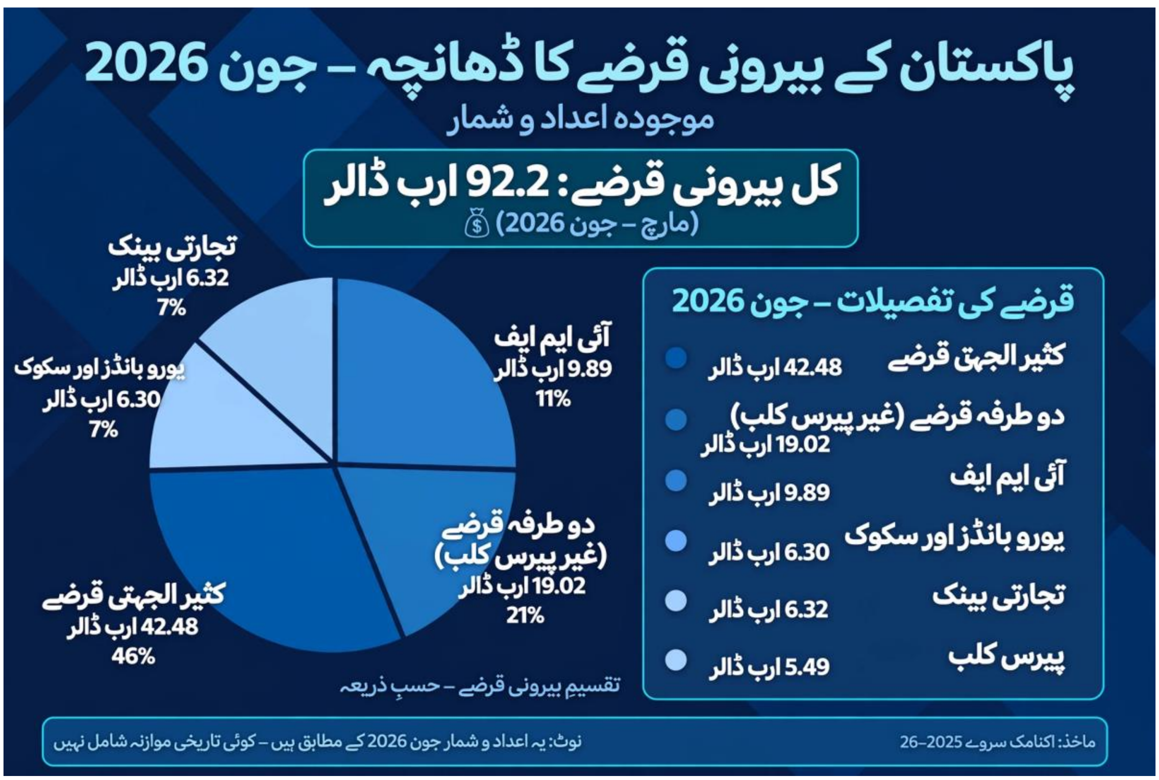
پاکستان کا بیرونی قرضہ اور ادائیگیوں کی ٹائم لائن کا انویسٹی گیٹو پوسٹ مارٹم

پاکستان کی معاشی تاریخ کا سب سے بڑا اسٹریٹجک اور انتظامی بحران یہ ہے کہ ملک کا بیرونی قرضہ ایک ایسے پہاڑ میں تبدیل ہو چکا ہے جسے سر کرنا موجودہ معاشی ماڈل کے ساتھ ناممکن نظر آتا ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان اور وزارتِ خزانہ کے تازہ ترین دستاویزی حقائق کے مطابق، پاکستان کا کل بیرونی قرضہ اور واجبات **130 ارب ڈالر** کی ہولناک سطح پر پہنچ چکے ہیں۔

اس باب میں ہم اس قرضے کے ڈھانچے کو بے نقاب کریں گے، یہ دیکھیں گے کہ یہ پیسہ کہاں سے آیا، کس نے اس کا سود کھایا، اور آنے والے برسوں میں پاکستان کو کس قدر سخت ادائیگیوں کی ٹائم لائن کا سامنا ہے۔

پاکستان کے بیرونی قرضے کا ڈھانچہ: ادھار کا پیسہ کہاں سے آیا؟

پاکستان کا بیرونی قرضہ کسی ایک ادارے کا مرہونِ منت نہیں ہے، بلکہ یہ عالمی مالیاتی نظام کے مختلف حصوں میں بکھرا ہوا ہے:



- **کثیر الجہتی قرضے (Multilateral Debt):** یہ کل قرضے کا سب سے بڑا حصہ (تقریباً 40 فیصد سے زائد) ہے جو ورلڈ بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک (ADB) اور اسلامی ترقیاتی بینک سے لیا گیا۔ یہ قرضے طویل مدتی اور نسبتاً کم سود پر ہوتے ہیں۔

- **دو طرفہ قرضے (Bilateral Debt):** یہ دوست ممالک سے لیے گئے قرضے ہیں جن میں **چین** سب سے آگے ہے (سی پیک اور سی پیک کے علاوہ کل دو طرفہ قرضوں کا حجم تقریباً 25 سے 28 ارب ڈالر ہے)۔ اس کے بعد سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور جاپان کا نمبر آتا ہے۔

- **عالمی تجارتی بینک اور یورو بانڈز (Eurobonds&Commercial Banks):** یہ وہ مہنگا ترین ادھار ہے جو پاکستان نے عالمی مارکیٹ سے اونچی شرحِ سود پر بانڈز (سکوک اور یورو بانڈز) بیچ کر یا چینی اور خلیجی کمرشل بینکوں سے شارٹ ٹرم کے لیے اٹھایا۔

- **بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF):** حال ہی میں منظور ہونے والے توسیعی فنڈ پروگرام (EFF) کے بعد آئی ایم ایف کا اپنا قرضہ بھی تقریباً 8 سے 9 ارب ڈالر کی سطح پر برقرار ہے۔

ہولناک ٹائم لائن: بیرونی قرضوں کی واپسی کا شیڈول

پاکستان کے سامنے سب سے بڑا چیلنج قرضوں کی واپسی اور ان پر سود کی ادائیگی (Debt Servicing) ہے۔ وفاقی حکومت اور اسٹیٹ بینک کے پراجیکشنز کے مطابق، پاکستان کو اگلے چند سالوں میں سالانہ اوسطاً **20 سے 25 ارب ڈالر** کی بیرونی ادائیگیاں کرنی ہیں۔



- **دوست ممالک کے ڈپازٹس (Rollovers):** اس کل سالانہ ادائیگی (مثال کے طور پر سالانہ 24 ارب ڈالر) میں سے تقریباً نصف حصہ (12 سے 13 ارب ڈالر) چین، سعودی عرب اور یو اے ای کے وہ سیف ڈپازٹس (Safe Deposits) ہیں جنہیں پاکستان ہر سال واپس کرنے کے بجائے "رول اوور" (قرض کی مدت میں توسیع) کرواتا ہے۔ اگر کوئی دوست ملک کسی سیاسی یا سفارتی تناؤ کی وجہ سے رول اوور کرنے سے انکار کر دے، تو ملک راتوں رات دیوالیہ (Default) ہو سکتا ہے۔

- **حقیقی نقد ادائیگی(Hard Cash Outflow):** رول اوورز منہا کرنے کے بعد بھی پاکستان کو ہر سال **11 سے 12 ارب ڈالر** نقد باہر بھیجنے ہیں، جبکہ ملک کے کل آفیشل زرمبادلہ کے ذخائر (Foreign Exchange Reserves) **بمشکل** 9 سے 11 ارب ڈالر کے آس پاس گھومتے ہیں۔ یعنی ہمارے پاس اپنے کل ذخائر سے زیادہ کی سالانہ ادائیگیاں واجب الادا ہیں۔

انویسٹی گیٹو پوسٹ مارٹم: ذمہ دار، ہدف اور سماجی قیمت

ذمہ دار کون تھا؟

- **پیداواری اثاثوں کے بجائے کنکشنز پر خرچ:** پاکستان کے حکمرانوں نے جو قرضے لیے، وہ جنوبی کوریا یا ملائیشیا کی طرح انڈسٹری، ٹیکنالوجی یا برآمدی شعبوں میں نہیں لگائے گئے۔ یہ ڈالرز موٹرویز بنانے، اورنج لائن جیسے سبسڈی پر چلنے والے ٹرانسپورٹ پراجیکٹس، اور سب سے بڑھ کر کرنٹ اکاؤنٹ خسارے کو پورا کرنے (امپورٹڈ مال کی ادائیگیوں) کے لیے اڑائے گئے۔
- **مقتدرہ اور ہائبرڈ پراجیکٹس کی معاشی قیمت:** ہر سیاسی اور عسکری سیٹ اپ نے معیشت کو طویل مدتی اسٹرکچرل ریفارمز پر ڈالنے کے بجائے "شارٹ ٹرم فکسز" (جیسے دوست ممالک سے نقد رقم مانگنا) پر گزارا کیا تاکہ ان کا اپنا اقتدار کا دور امن سے گزر جائے، قطع نظر اس کے کہ اگلے دور میں اس کا بوجھ کس پر آئے گا۔

فائدہ کس نے اٹھایا؟

- **امپورٹ مافیا اور مراعات یافتہ اشرافیہ:** اس ادھار کے ڈالرز کی بدولت ملک میں سالہا سال امپورٹڈ گاڑیاں، شاہانہ الیکٹرانکس، امپورٹڈ پٹرول اور تعیشات کا سامان آتا رہا جس کا فائدہ صرف چوٹی کے 2 سے 5 فیصد امرا کو ہوا۔
- **عالمی سرمایہ کار اور کمرشل بینک:** جنہوں نے پاکستان کی کمزور معاشی پوزیشن کا فائدہ اٹھا کر ملک کو انتہائی مہنگی شرحِ سود (بعض بانڈز پر 8 سے 13 فیصد تک سود) پر ادھار دیا اور پاکستان کے عوامی ٹیکسوں کے پیسے سے اربوں ڈالر کا منافع کمایا۔

نقصان کس کا ہوا؟

- **عام پاکستانی شہری اور آنے والی نسلیں:** قرضہ ڈالرز میں لیا گیا، لیکن اس کی واپسی کے لیے حکومت روپے اکٹھے کرتی ہے۔ جب روپیہ گرتا ہے تو قرضہ خود بخود اربوں روپے بڑھ جاتا ہے۔ اس کو پورا کرنے کے لیے حکومت پٹرول، بجلی، گیس مہنگی کرتی ہے اور آٹے و دالوں پر سیلز ٹیکس لگاتی ہے۔

ملکی اور عوامی سطح پر ادا کی جانے والی مجموعی قیمت



1. **سیاسی اور سفارتی قیمت:** 130 ارب ڈالر کے قرضے کے بوجھ تلے دبا پاکستان اپنی آزادانہ خارجہ پالیسی مکمل طور پر کھو چکا ہے۔ جغرافیائی اور اسٹریٹجک محاذ پر پاکستان کوئی بھی بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے قرض خواہوں (بالخصوص آئی ایم ایف، امریکہ اور چین) کے مفادات کو دیکھنے پر مجبور ہے، جس سے ملک کی عالمی خود مختاری شدید متاثر ہوئی ہے۔

2. **انتظامی مفلوج پن**: پاکستان کے سالانہ وفاقی بجٹ کا **60 سے 70 فیصد** حصہ صرف ایک کام میں چلا جاتا ہے: "قرضوں کی سود" اس کے بعد جو بچتا ہے وہ دفاع اور سویلین حکومت چلانے پر خرچ ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وفاقی حکومت کے پاس ملک کی تعلیم، صحت، زراعت اور ماحولیات پر خرچ کرنے کے لیے "صفر" روپیہ بچتا ہے۔ انتظامیہ کا کام صرف نئے قرضے تلاش کرنا رہ گیا ہے۔

3. **عوامی سطح پر بدترین اثرات**

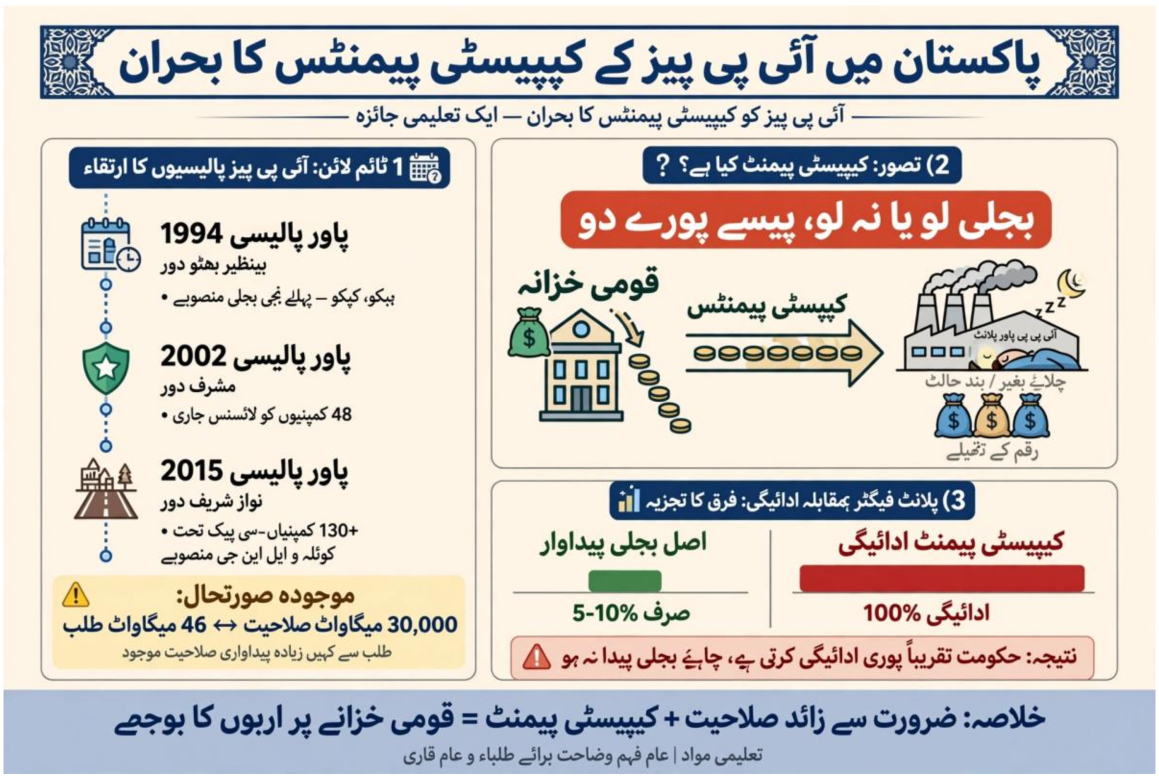
   - **بجلی کے بلوں کا ظلم:** قرضوں کی ادائیگیوں کو یقینی بنانے کے لیے آئی ایم ایف کی شرط پر بجلی کے فی یونٹ نرخ ملکی تاریخ کی بلند ترین سطح پر پہنچ چکے ہیں۔ عام آدمی اپنے پورے مہینے کے راشن کے برابر رقم صرف ایک بجلی کے بل کی مد میں ادا کر رہا ہے۔

   - **ترقی کا جمود اور برین ڈرین:** جب بجٹ کا بڑا حصہ سود میں جائے گا تو ملک میں نئے صنعتی زونز یا پبلک پراجیکٹس نہیں بنیں گے۔ روزگار کے مواقع ختم ہونے اور ٹیکسوں کے بے پناہ بوجھ کے باعث پاکستان کا مڈل کلاس اور پروفیشنل طبقہ مایوس ہو کر ریکارڈ تعداد میں ملک چھوڑ رہا ہے، جو کہ ملک کے مستقبل کے لیے سب سے بڑا انتظامی نقصان ہے۔

آئی پی پیز کے یکطرفہ معاہدے اور کیپیسٹی پیمنٹس کا انویسٹی گیٹو پوسٹ مارٹم

پاکستان کا موجودہ توانائی بحران کوئی قدرتی آفت نہیں بلکہ ناقص گورننس، ناقص ترجیحات اور نجی بجلی گھروں (IPPs) کے ساتھ کیے گئے یکطرفہ اور ظالمانہ معاہدوں کا نتیجہ ہے۔ قومی خزانے کو سب سے بڑا زخم **کیپیسٹی پیمنٹ** (صلاحیت کی قیمت) کے نام پر لگایا گیا۔ اس کا آسان زبان میں مطلب یہ ہے **" : بجلی لو یا نہ لو، پیسے پورے دو"!**

اس تفصیلی انویسٹی گیٹو رپورٹ میں ہم یہ بے نقاب کریں گے کہ یہ معاہدے کس نے کیے، ان کے اصل مالکان کون تھے، ان پلانٹس نے کتنی بجلی بنائی، انہیں کتنے ارب روپے دیے گئے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ **ایک بھی یونٹ بجلی پیدا کیے بغیر** کتنا ہولناک سرمایہ ان کی جیبوں میں ڈالا گیا۔



تاریخ کے تین بڑے موڑ: یہ معاہدے کس نے کیے؟

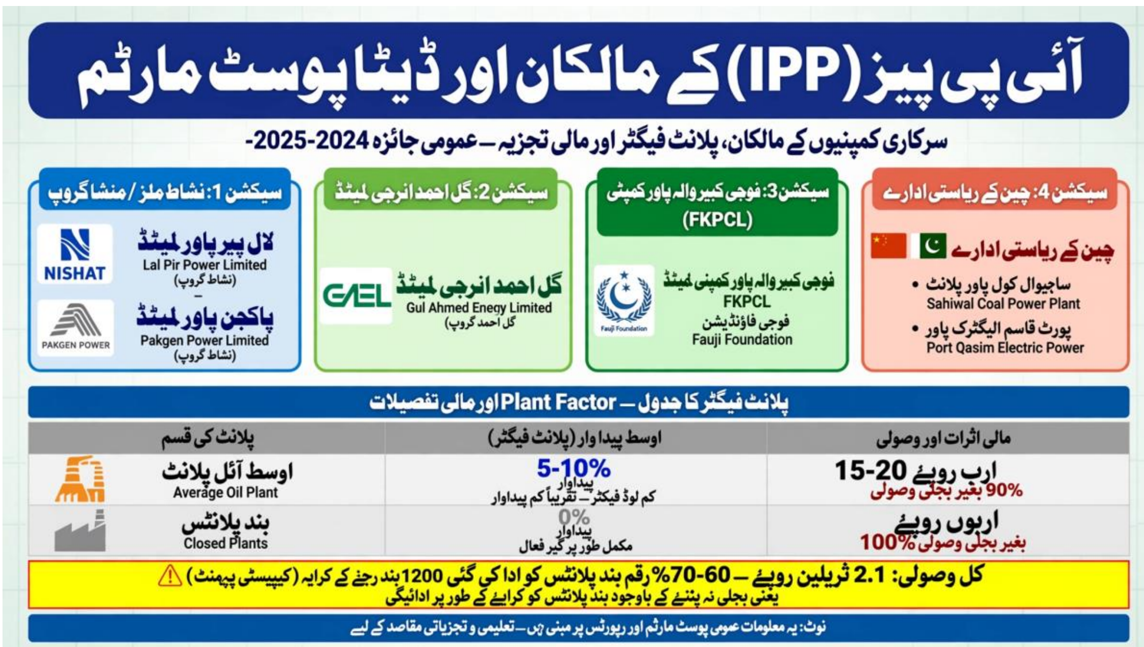
پاکستان میں آئی پی پیز کے معاہدوں کو تین الگ ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جہاں ہر آنے والی حکومت نے پچھلی غلطیوں سے سیکھنے کے بجائے بحران کو مزید گہرا کیا

1. **پہلا موڑ – پیپلز پارٹی دور (پاور پالیسی 1994ء) :** محترمہ بینظیر بھٹو کے دور میں پہلی بار نجی شعبے کو بجلی گھر لگانے کی دعوت دی گئی۔ اس پالیسی کے تحت کیپیسٹی پیمنٹس اور ڈالر انڈیکسیشن (منافع کا ڈالر کے ساتھ جڑنا) کی بنیاد رکھی گئی۔ اس دور میں ہبکو (Hubco) اور کیپکو (Kapco) جیسے بڑے پاور پلانٹس کے ساتھ معاہدے ہوئے

2. **دوسرا موڑ-مشرف اور پیپلز پارٹی دور (پاور پالیسی 2002ء) :** جنرل پرویز مشرف کے دور میں 48 کمپنیوں کے ساتھ معاہدے کیے گئے۔ان معاہدوں میں بھی "ٹیک اور پے" (بجلی لو یا پیسے دو) کی کڑی شرط کو برقرار رکھا گیا۔

3. **تیسرا موڑ-مسلم لیگ ن دور (پاور پالیسی 2015ء) :** نواز شریف کے دورِ حکومت میں سب سے زیادہ یعنی 130 سے زائد بجلی بنانے والی کمپنیوں کے ساتھ معاہدے کیے گئے، جن میں سی پیک (CPEC) کے تحت لگنے والے کوئلے اور ایل این جی (LNG) کے بڑے کارخانے شامل تھے۔اس دور میں پاکستان کی مجموعی پیداواری صلاحیت تو 46,000 میگاواٹ سے تجاوز کر گئی، لیکن ملک کی زیادہ سے زیادہ طلب (Peak Demand) بمشکل 30,000 میگاواٹ تک ہی پہنچ سکی۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں **فالتو بجلی کا ایک بڑا پہاڑ** کھڑا ہو گیا جس کی کیپیسٹی پیمنٹ عوام کو ادا کرنی پڑ رہی ہے۔

مالکان کون ہیں؟



قومی تحقیقاتی اداروں، سینیٹ کی قائمہ کمیٹیوں اور فیڈریشن آف پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری (FPCCI) کی رپورٹس کے مطابق، ان نجی بجلی گھروں کے مالکان کوئی بیرونی خلائی مخلوق نہیں بلکہ **پاکستان کے چند بڑے بااثر کاروباری خاندان اور مقتدرہ کے زیرِ انتظام چلنے والے ادارے** ہیں:

- **منشا گروپ (نیشات ملز) :** میاں منشا کے گروپ کے پاس لعل پیر (Lalpir) اور پاک جن (Pakgen) جیسے بڑے پاور پلانٹس رہے ہیں۔
- **گل احمد اور صنوبر گروپ :** گل احمد انرجی لمیٹڈ کے مالکان بھی ملک کے چوٹی کے ٹیکسٹائل اور کاروباری ٹائیکونز ہیں۔
- **عسکری اور فاؤنڈیشنز کے ادارے :** فوجی کبیر والا پاور کمپنی (FKPCL) جیسے پلانٹس براہِ راست عسکری فاؤنڈیشنز کے زیرِ انتظام کام کرتے ہیں۔

- **چین کے ریاستی ادارے :** سی پیک کے تحت لگنے والے کوئلے کے پاور پلانٹس (جیسے ساہیوال کول پاور یا پورٹ قاسم پلانٹ) چینی حکومت اور نجی کمپنیوں کے اشتراک سے چل رہے ہیں۔

اعداد و شمار کا پوسٹ مارٹم: کس پلانٹ نے کیا بنایا اور کیا پایا؟

قومی احتساب بیورو (NAB) اور نیپرا (NEPRA) کے آڈٹ ریکارڈز سے حاصل ہونے والا ڈیٹا بتاتا ہے کہ آئی پی پیز کو دی جانے والی ادائیگیاں ان کی بجلی کی پیداوار سے نہیں، بلکہ ان کی **صلاحیت** سے جڑی ہوئی تھیں

پلانٹ فیکٹر کا معمہ

نیپرا کے کوارٹرلی ایڈجسٹمنٹ نوٹیفیکیشنز کے مطابق، پاکستان میں کئی ایسے پلانٹس ہیں جن کا پلانٹ فیکٹر (بجلی پیدا کرنے کی اصل شرح) **25 فیصد سے بھی کم** رہا ہے۔ یعنی یہ پلانٹس سال کے 365 دنوں میں سے 75 فیصد وقت بالکل بند یا بیکار کھڑے رہتے ہیں، لیکن انہیں کیپیسٹی چارجز 100 فیصد صلاحیت کے مطابق دیے جاتے ہیں۔

پاور پلانٹ کا نام	**اصل پیداوار (Plant Factor)**	**سالانہ کیپیسٹی پینٹ (ارب روپے)**	**بجلی پیدا کیے بغیر وصولی (ارب روپے)**
ایک فرضی اوسط آئل پلانٹ	صرف 5٪ سے 10٪	تقریباً 15 سے 20 ارب	کل ادائیگی کا 90 فیصد حصہ
بند پڑے پرانے پلانٹس	) 0٪ بالکل بند (	اربوں روپے سالانہ	100 فیصد رقم بغیر بجلی بنائے

- **بغیر بجلی بنائے وصولی :** آڈٹ رپورٹس کے مطابق، سالانہ مجموعی طور پر حکومت آئی پی پیز کو جو **2.1 ٹریلین روپے (2100 ارب روپے)** کیپیسٹی پیمنٹس کی مد میں ادا کرنے پر مجبور ہے، اس کا تقریباً **60 سے 70 فیصد حصہ** ان پلانٹس کو جاتا ہے جنہوں نے سال بھر میں یا تو ایک یونٹ بھی بجلی پیدا نہیں کی یا ان کی پیداوار نہ ہونے کے برابر تھی! یعنی عوام سالانہ **1200 سے 1400 ارب روپے** صرف ان پاور پلانٹس کو "بند رہنے کا کرایہ" دینے کی مد میں ادا کرتے ہیں۔

ہم سے کہاں غلطی ہوئی اور کون قصوروار تھا؟

یکطرفہ معاہدہ (ڈالر انڈیکسیشن) ——◄ فالتو پیداواری صلاحیت ——◄ بجلی پیدا کیے بغیر ادائیگیاں ——◄ عوام پر بھاری سرچارجز

- **ذمہ دار کون تھا؟** وزارتِ توانائی (پاور ڈویژن)، نیپرا کے سابقہ بورڈز اور وہ سیاست دان جنہوں نے ملکی طلب کا درست اندازہ لگائے بغیر "ٹیک اور پے" کے معاہدوں پر دستخط کیے۔ انہوں نے ان معاہدوں میں کوئی ایسی شق نہیں رکھی جس کے تحت ضرورت نہ ہونے پر ادائیگیاں روکی جا سکیں۔
- **فائدہ کس نے اٹھایا؟** آئی پی پیز کے مالکان (وہ 24 کاروباری خاندان اور لابی) جنہوں نے روپے کی قدر گرنے کا فائدہ اٹھایا کیونکہ ان کا منافع ڈالر میں طے تھا۔ انہوں نے اپنے پلانٹس کی اصل لاگت چند ہی سالوں میں پوری کر لی اور اس کے بعد کا تمام سرمایہ خالص منافع کی شکل میں پایا۔
- **نقصان کس کا ہوا؟** پاکستان کی عوام اور مقامی انڈسٹری کا۔

ملکی، انتظامی اور عوامی سطح پر ادا کی جانے والی مجموعی قیمت



آئی پی پیز کے ان یکطرفہ معاہدوں نے پاکستان کو ایک ایسے اسٹرکچرل معاشی بحران میں جکڑ دیا ہے جس کی قیمت پورا ملک چکا رہا ہے:

1. **انتظامی دیوالیہ پن اور گردشی قرضہ :(Circular Debt)** توانائی کے شعبے کا کل گردشی قرضہ **5.4 ٹریلین روپے(5422ارب روپے)** کی خوفناک سطح پر پہنچ چکا ہے۔ اس قرضے کی سب سے بڑی وجہ یہی کیپیسٹی پیمنٹس ہیں۔ حکومت اس خسارے کو پورا کرنے کے لیے مزید بینکوں سے ادھار لیتی ہے، جس سے ملک کا مالیاتی ڈھانچہ مفلوج ہو چکا ہے۔

2. **عوامی سطح پر بدترین استحصال :(The Citizens' Nightmare)** آئی پی پیز کے منافع اور قرضوں کی اقساط کو پورا کرنے کے لیے حکومت نے حال ہی میں بجلی کے بلوں پر **3.23 روپے فی یونٹ کا اضافی سرچارج اگلے 6 سالوں کے لیے نافذ کر رکھا ہے**، جس سے عوام کی جیبوں سے سالانہ 323 ارب روپے نکالے جا رہے ہیں۔ ایک عام مڈل کلاس گھرانہ جس کا بل 15,000 ہونا چاہیے، وہ کیپیسٹی چارجز اور ٹیکسوں کی وجہ سے 45,000روپے بل ادا کر رہا ہے۔

3. **صنعتوں کی تباہی اور برین ڈرین :** پاکستان میں بجلی کے نرخ خطے میں سب سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ اس مہنگی بجلی کی وجہ سے فیصل آباد اور کراچی کے صنعتی زونز میں ہزاروں پاور لومز اور مینوفیکچرنگ یونٹس بند ہو چکے ہیں، جس سے لاکھوں مزدور بے روزگار ہوئے اور ملکی برآمدات کو شدید دھچکا لگا۔

حالیہ پیش رفت (2024ء سے 2026ء تک کے اقدامات)

عوامی احتجاج، صنعت کاروں کی سپریم کورٹ میں پٹیشنز اور مقتدرہ کی تشکیل کردہ ٹاسک فورس کے دباؤ کے بعد، حکومت نے حال ہی میں آئی پی پیز کے معاہدوں پر نظر ثانی کا عمل شروع کیا ہے

- **معاہدوں کا قبل از وقت خاتمہ :** حکومت نے ابتدائی طور پر 5 سے 6 پرانے آئی پی پیز (بشمول حبکو، گل احمد، اور کوہ نور انرجی) کے پاور پرچیز معاہدے ان کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی منسوخ کر دیے ہیں، جس سے قومی خزانے کو تقریباً 411 ارب روپے کی بچت متوقع ہے۔
- **منافع میں کٹوتی :** وفاقی کابینہ نے 14 دیگر آئی پی پیز کے ساتھ نظر ثانی شدہ معاہدوں کی منظوری دی ہے، جس کے تحت ان کے منافع اور لاگت میں **802 ارب روپے کی کمی** کی گئی ہے اور ماضی کے اضافی منافع میں سے 35 ارب روپے وضع کیے جائیں گے۔ ان اقدامات سے مجموعی طور پر طویل مدت میں 1.4 ٹریلین روپے کی بچت کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ تاہم، ماہرین کا کہنا ہے کہ جب تک تمام بڑے پلانٹس (بشمول چینی اور سرکاری پلانٹس) کے معاہدوں کو روپے میں منتقل نہیں کیا جاتا، عام صارف کو بجلی کے بلوں میں کوئی بڑا اور مستقل ریلیف ملنا مشکل ہے۔



المیہ: ایک بے لچک فرسودہ نظام کا وار

یہ کہانی کسی معمولی دفتری کوتاہی کی نہیں، بلکہ ریاستی طاقت کے وحشیانہ اور منظم غلط استعمال (منظم بدانتظامی) کی داستان ہے۔ یہ قصہ ہے لاہور کے علاقے **مزنگ** کے ایک عام شہری فیصل عظیم جن کا قصور صرف اتنا تھا کہ سال 2025 میں ان کے گھر کا بجلی کا میٹر خراب ہو گیا۔ فیصل نے حکومت کے بلند و بانگ دعوؤں پر یقین کرتے ہوئے لیسکو کے آن لائن شکایات پورٹل (صارف شکایات انتظامی نظام) پر شکایت درج کروائی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ راستہ انصاف کی طرف نہیں جاتا، بلکہ دفتری جبر اور معاشی بلیک میلنگ کے ایک ایسے خوفناک چکر کا آغاز ہے جہاں ایک شہری کو جیتے جی مفلوج کر دیا جاتا ہے۔

۱۔ ڈیٹا کی چوری اور کاغذی تماشا

مقامی سب ڈویژن کے **ایس ڈی او مزنگ** نے فیصل کے مسئلے کو حل کرنے کے بجائے دفتری کارکردگی کی فائلوں کو چمکانے کے لیے کھلم کھلا ہندساتی ہیر پھیر (ریکارڈ میں بدنیتی پر مبنی ردوبدل) شروع کی۔ جب بھی فیصل میٹر کی تبدیلی کا مطالبہ کرتے، یہ ذیلی دفتر بغیر کوئی کام کیے کمپیوٹر پر شکایت کو "حل شدہ" درج کر کے بند کر دیتا۔ لیسکو کے دفتری نوشتہ جات (لاگز) کے مطابق یہ مجرمانہ تماشا ایک دو بار نہیں، بلکہ **8 مرتبہ** دہرایا گیا، جہاں صارف کے مسلسل "غیر مطمئن" ہونے کے باوجود شکایات زبردستی بند کر دی گئیں۔

جعل سازی کی انتہا تب ہوئی جب یکم مئی 2026 کو ایک دفتری نوشتہ میں شکایت کو دوبارہ شروع کرنے اور اسے حل کرنے کا وقت **ایک ہی منٹ (شام 05:12 بجے)** درج کیا گیا۔ فیصل عظیم نے لیسکو کے اس جھوٹ کو دبوچ لیا؛ محض 160 سیکنڈز کے اندر موقع پر جا کر بجلی کا میٹر تبدیل کرنا جسمانی اور تکنیکی طور پر سراسر ناممکن تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ سرکاری محکمے عوام کو دھوکہ دینے کے لیے دفتری دستاویزات میں کس بے شرمی سے ردوبدل کرتے ہیں۔

۲۔ وفاقِ محتسب کی تذلیل اور مجرمانہ جعل سازی

جب لیسکو کا ظلم حد سے بڑھا، تو فیصل نے پاکستان کے اعلیٰ ترین احتسابی ادارے **"وفاقی محتسب سیکرٹریٹ** "کا دروازہ کھٹکھٹایا) کیس نمبر-WMS : (25/0061637/ONL۔ محتسب نے 11 نومبر 2025 کو لیسکو کی بد انتظامی کے خلاف ایک واضح اور پابندِ تعمیل فیصلہ سناتے ہوئے فوراً بلا معاوضہ نیا میٹر لگانے کا حکم دیا۔

لیکن لیسکو کی سرکشی اس سے بھی بڑی تھی۔ 24 فروری 2026 کو اس اعلیٰ ترین قانونی فورم کے سامنے تعمیل کا جھوٹا ناٹک رچانے کے لیے لیسکو کے اہلکاروں نے ایک ایسے میٹر کی تصویر جمع کروائی جس کی اسکرین پر **0.000** ریڈنگ تھی، تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ بالکل نیا اور صاف میٹر لگا دیا گیا ہے۔ یہ اقدام سراسر توہینِ عدالت اور تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 193 کے تحت عدالتی کارروائی میں جھوٹی گواہی (دروغ حلفی) کا سنگین جرم تھا۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ محکمے نے فیصل کے گھر پر ایک **9 سال پرانا، اترا ہوا (استعمال شدہ) میٹر** لا کر تھوپ دیا تھا، جس پر پہلے ہی **9,308 یونٹس** درج تھے۔

۳۔ پانچ لاکھ روپے کا معاشی پھندا (اضافی بلنگ کا جال)

اس مجرمانہ کارروائی کا اصل اور ہولناک مقصد اب سامنے آنا تھا۔ لیسکو کے مقامی دفتر نے جان بوجھ کر اس پرانے میٹر کا "میٹر تبدیلی کا دفتری حکم نامہ" (ایم سی او) مرکزی بلنگ ڈیٹا بیس میں درج ہی نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لیسکو کا خودکار بلنگ سافٹ ویئر ان ساڑھے نو ہزار یونٹس کو (جو فیصل نے کبھی استعمال ہی نہیں کیے تھے) ان کے کھاتے میں موجودہ مہینے کی کھپت دکھانے والا تھا۔ یہ ایک ایسا تزویراتی وقت بند بم (ٹائم بم) تھا جو فیصل عظیم کے سر پر **500,000 روپے (پانچ لاکھ)** سے زائد کا تباہ کن فرضی بل گرانے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

جب فیصل نے اس معاشی ڈکیتی کے خلاف آواز اٹھائی، تو لیسکو نے انتقامی کارروائی کرتے ہوئے ایک خالی مکان پر بجلی کا غیر قانونی منقطع کرنے کا حکم نامہ (ڈی سی او) جاری کر دیا۔ فیصل کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے گھر کا بنیادی ڈھانچہ بچانے کے لیے الائیڈ بینک جا کر **10,771 روپے کے ناجائز بقایا جات اور 2,200 روپے دوبارہ بحالی کی فیس** اپنی جیب سے ادا کریں۔ ظلم کی انتہا یہیں ختم نہیں ہوئی؛ اگلے ہی مہینے اپنی چوری چھپانے کے لیے لیسکو کے بلنگ عملے نے جون کے بل پر دستی طور پر صرف **930 ریڈنگ** ٹائپ کر کے فرضی

140 یونٹ کا بل بھیج دیا، جبکہ اسی بل پر لگی میٹر کی اصل تصدیقی تصویر چیخ چیخ کر **9308 ریڈنگ** دکھا رہی تھی۔ عملے نے صرف آخری ہندسہ غائب کر کے ایک اور صریح عددی جعل سازی کی تھی۔

]لیسکو کا اضافی بلنگ کا جال

|

► پرانے میٹر کی تنصیب (پہلے سے موجود ریڈنگ: 9,308 یونٹس)

► ڈیٹا بیس میں میٹر تبدیلی کا حکم نامہ (MCO) روکنا (سافٹ ویئر بنیاد کو 1 پر رکھنا)

► فرضی عددی انٹری (آخری ہندسہ غائب کر کے بل پر 930 لکھنا)

► رزلٹ: 5 لاکھ + روپے کا غیر قانونی بقایاجات کا وقت بند بم

۴۔ کثیر الجہتی جوابی حملہ اور حق کا تحفظ

فیصل عظیم اب سمجھ چکے تھے کہ یہ لیسکو کے چھوٹے اہلکاروں کی غلطی نہیں، بلکہ ایک منظم گروہ کا گٹھ جوڑ ہے جو عام شہریوں کا خون چوستا ہے۔ انہوں نے دفاعی پوزیشن چھوڑ کر لیسکو پر ایک کثیر الجہتی، جارحانہ اور سٹریٹیجک جوابی حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے لیسکو کو دفاع پر مجبور کرنے اور اپنے حق کو مستقل محفوظ (Secure) کرنے کے لیے ریاست کے تین سب سے بڑے مقتدر اور احتسابی فورمز پر ایک ساتھ وار کیا:

1. **وفاقی محتسب سیکرٹریٹ :** لیسکو کے سب سے بڑے انتظامی افسر (چیف ایگزیکٹو آفیسر) اور ایس ڈی او مزنگ کے خلاف توہینِ عدالت اور شوکاز نوٹس (وجہ بتاؤ نوٹس) کی ہنگامی پٹیشن دائر کی۔
2. **وزیرِاعظم پرائم منسٹر پورٹل (وزیرِاعظم کا شکایات سیل) :** وزیرِاعظم کے اعلیٰ ترین انتظامی فورم پر لیسکو کے اس منظم عددی دھوکے کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا۔
3. **وزارتِ توانائی (پاور ڈویژن) کا آن لائن نظام :** وزارتِ توانائی کے آن لائن مانیٹرنگ سسٹم پر لیسکو کی بدانتظامی اور بلنگ سافٹ ویئر کی ہیرا پھیری کے ناقابلِ تردید لاگز جمع کروائے۔

جب ریاست کے ان تینوں اعلیٰ ترین اداروں کا مشترکہ اور شدید دباؤ لیسکو کے مرکزی دفتر پر پڑا، تو بیوروکریسی کا وہ فرعونیت سے بھرا جمود ٹوٹ گیا۔ لیسکو کے عملے کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور مجبوراً اس پرانے میٹر کے اصل کوائف اور میٹر تبدیلی کی تفصیلات کمپیوٹرائزڈ سسٹم میں داخل کرنی پڑیں۔ یوں فیصل عظیم کا یہ حق ڈیجیٹل سسٹم میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوا کہ وہ ان پرانے ساڑھے نو ہزار یونٹس کے بل سے بری الذمہ ہیں۔

۵۔ بقا کی جنگ کی اصل قیمت اور فکری سوال

اگرچہ **فیصل عظیم** نے یہ جنگ جیت لی، لیکن اس معاشی انصاف کی قیمت ایک عام پاکستانی شہری نے اپنے خون پسینے سے چکائی۔ اس پورے معرکے میں **فیصل کا ایک پورا سال** ضائع ہوا۔ کلرکوں اور افسران کے لامتناہی نخرے اٹھانا، ایک میز سے دوسری میز تک دستخطوں کے لیے مہینوں لیسکو کے دفاتر کی خاک چھاننا، شدید گرمی میں لوکل بسوں اور ویگنوں کے دھکے کھانا، جابجا فوٹو کاپیاں کروانا، اور اس سب کے لیے اپنی ملازمت اور روزگار سے بار بار چھٹیاں لینا ان کا وہ پوشیدہ نقصان تھا جس کا ازالہ لیسکو کا کوئی ادارہ نہیں کر سکتا۔

فیصل عظیم تو ایک پڑھے لکھے، باہمّت اور انٹرنیٹ و قوانین سے واقف شہری تھے جنھوں نے لیسکو کا جھوٹ زمین پر رگڑ دیا۔ اب ذرا گریبان میں جھانک کر سوچئے:

- پاکستان کے دور دراز علاقوں، تھر کے صحراؤں، بلوچستان کے ویرانوں یا دیہاتوں میں رہنے والے ان کروڑوں غریب، مزدور اور ان پڑھ شہریوں کا کیا حال ہوتا ہو گا جنہیں یہ محکمے روزانہ لوٹتے ہیں؟
- جن کے پاس نہ تو پرائم منسٹر پورٹل ہے، نہ وہ وفاقی محتسب کے قانون کو جانتے ہیں، اور نہ ہی ان کے پاس بس کے کرایوں، فوٹو کاپیوں اور کام سے چھٹی کرنے کی گنجائش ہوتی ہے؟

وہ تو لیسکو جیسے ظالم اداروں کے اس اضافی بلنگ کے جال اور دفتری جبر کے آگے روز گھٹنے ٹیکتے ہیں اور اپنے بچوں کا نوالہ بیچ کر ان لٹیروں کے فرضی بل بھرنے پر مجبور ہیں۔ یہ سبق ہمیں سکھاتا ہے کہ ڈیجیٹل نظام اور آن لائن پورٹلز اس وقت تک محض ایک دھوکہ ہیں جب تک نچلی سطح کے سرکاری ملازمین کو قانون کے کٹہرے میں لا کر کڑی سزا نہ دی جائے۔



بجلی کی تقسیم کار کمپنیوں (ڈسکوز) کا انتظامی نیٹ ورک، اندرونی کرپشن اور عوامی استحصال

پاکستان کا توانائی کا بحران صرف آئی پی پیز کے ظالمانہ معاہدوں تک محدود نہیں۔ اس کا دوسرا اور کہیں زیادہ خوفناک چہرہ بجلی کی تقسیم کا نظام ہے۔ لیسکو (لاہور)، کے-الیکٹرک (کراچی)، پیسکو (پشاور) اور میپکو (ملتان) جیسی تقسیم کار کمپنیاں آج نااہلی، کرپشن اور انتظامی زوال کا گڑھ بن چکی ہیں۔

یہ ادارے فرسودہ نظام، یونینوں کی بلیک میلنگ، اندرونی چوری اور احتساب کے فقدان سے ہر سال سینکڑوں ارب کا خسارہ کرتے ہیں۔ اس خسارے کو "لائن لاسز" اور "ٹیکنیکل ایڈجسٹمنٹس" کے خوبصورت ناموں میں چھپا کر عام صارف کے بل میں ڈال دیا جاتا ہے۔



بربادی کا ڈھانچہ - پوسٹ مارٹم

فرسودہ ٹرانسمیشن نظام ← لائن لاسز اور بجلی چوری ← عملے اور یونین کا گٹھ جوڑ ← ایماندار صارف پر بھاری سرچارج!

فرسودہ ترسیلی نظام: گرڈز اور ٹرانسفارمر ساٹھ اور ستر کی دہائی کے ہیں۔ دنیا میں تکنیکی ضیاع 5 سے 7 فیصد ہے، پاکستان میں 20 سے 38 فیصد تک پہنچ چکا ہے۔ نیپرا کی رپورٹس کے مطابق ڈسکوز اپ گریڈ کے لیے ملنے والے فنڈز بھی ہڑپ کر جاتی ہیں۔

بجلی چوری اور ملی بھگت: سالانہ 500 ارب سے زائد کی چوری، کنڈا کلچر، میٹر ریورس اور سیدھی تار۔ تحقیقاتی رپورٹس کے مطابق لائن مین، ایس ڈی او اور ایکسیئن کی ملی بھگت کے بغیر بڑے پیمانے پر چوری ممکن نہیں۔ بڑے کارخانے اور بااثر شخصیات بھتہ دے کر میٹر بائی پاس کرواتی ہیں اور نقصان پورا کرنے کو ایمانداروں پر "ڈیٹیکشن بل" ڈال دیے جاتے ہیں۔

مفت بجلی اور مراعات : گریڈ 1 سے 22 تک حاضر اور ریٹائرڈ ملازمین کروڑوں مفت یونٹ استعمال کرتے ہیں جس کا خرچ عوام کی جیب سے نکلتا ہے۔ مراعات ختم کرنے کی کوشش پر ہائیڈرو الیکٹرک یونین ہڑتال سے ملک اندھیرے میں ڈبونے کی بلیک میلنگ کرتی ہے۔

نااہلی اور احتساب کا فقدان : پورا ڈھانچہ سفارش پر چلتا ہے، شکایات کا کوئی خودکار نظام نہیں۔ اوور بلنگ اب لائن لاسز کا ہدف پورا کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اور عام شہری گرمی میں دفاتر کے چکر کاٹ کر ٹوٹ جاتا ہے۔

ٹیرف سلیب کا گورکھ دھندا

پاکستان کا سلیب سسٹم ایسا بنایا گیا ہے کہ ایک یونٹ بڑھنے سے پورا بل کیٹیگری بدل جاتی ہے۔

199 یونٹ (پروٹیکٹڈ) ← 201 یونٹ (نان پروٹیکٹڈ) ← ٹیرف یکدم دگنا اور پچھلے تمام یونٹس پر بھی نیا ریٹ لاگو!

اگر 6 ماہ تک 200 سے نیچے رہنے والا صارف ایک ماہ 201 یونٹ کر لے تو وہ نان پروٹیکٹڈ ہو جاتا ہے۔ سلیب بدلتے ہی پچھلے 200 یونٹس پر بھاری ریٹ، فیول ایڈ جسٹمنٹ، کوارٹرلی ایڈ جسٹمنٹ اور جی ایس ٹی دگنا ہو جاتا ہے۔ یوں 4,000 والا بل ایک یونٹ سے 12,000 تک جا پہنچتا ہے۔

اوور بلنگ اور وفاقی محتسب کے ثبوت

ڈسکوز سلیب کا فائدہ اٹھا کر اپنے لاسز چھپانے کو منظم اوور بلنگ کرتی ہیں۔ وفاقی محتسب کے ریکارڈ کے مطابق ہر سال آنے والی کل شکایات کا 70 سے 75 فیصد صرف بجلی کے بلوں اور ڈسکوز کی نااہلی کے خلاف ہوتا ہے۔ لیسکو، میپکو اور پیسکو کے خلاف لاکھوں شکایات پر محتسب نے ریڈنگ درست کرنے کے احکامات دیے۔ محتسب اور ایف آئی اے کے مطابق میٹر ریڈر جان بوجھ کر 30 دن کے بجائے 32 یا 35 دن بعد ریڈنگ کرتے ہیں تاکہ صارف 200 یا 300 کی سلیب کراس کر جائے۔ محتسب نے اسے "بدانتظامی کی بدترین شکل" قرار دیا ہے۔

عدالتی فیصلے اور اخباری رپورٹس: ڈسکوز کے خلاف دستاویزی ریکارڈ

لاہور ہائی کورٹ کا تاریخی ایکشن : عدالت نے لیسکو اور نیپرا کے خلاف پٹیشنز پر واضح کیا کہ ڈسکوز اپنے لائن لاسز اور چوری کا بوجھ باقاعدگی سے بل دینے والوں پر نہیں ڈال سکتیں۔ عدالت نے ایف آئی اے کو حکم دیا کہ بوگس اور ڈیٹیکشن بلز بھیج کر بلیک میل کرنے والے افسران کے خلاف کارروائی کی جائے۔

نیپرا کی اپنی انویسٹی گیشن (میڈیا انکشافات) : اخبارات کی شہ سرخیوں کے مطابق نیپرا کی اپنی انکوائری کمیٹی نے تسلیم کیا کہ تمام ڈسکوز نے کروڑوں صارفین کو اربوں روپے کی اوور بلنگ کی۔ ایسے صارفین کو بھی نان پروٹیکٹڈ میں دھکیلا گیا جن کا اصل استعمال 200 سے کم تھا تاکہ مالی خسارہ پورا ہو۔

عدالتی ریمارکس : معزز ججز نے کئی بار ریمارکس دیے کہ "ڈسکوز کی بیوروکریسی مافیا کی طرح کام کر رہی ہے، جہاں عام شہری کو بل دینے کے لیے گھر کا سامان یا بیوی کے زیورات بیچنے پڑ رہے ہیں"۔

کس نے فائدہ اٹھایا، قیمت کس نے چکائی؟

ذمہ دار : پاور ڈویژن، ڈسکوز کے بورڈز اور وہ سیاسی حکومتیں جنہوں نے یونین دباؤ پر نجکاری اور سمارٹ میٹر (AMI) منصوبے روکے۔

فائدہ : بجلی چور تاجر، بااثر طبقہ، کرپٹ افسران اور یونین لیڈرز۔

نقصان : غریب اور تنخواہ دار طبقہ جو ایک ایک یونٹ بچا کر جیتا ہے۔

ملکی، انتظامی اور عوامی زندگی پر ہولناک اثرات (حتمی عوامی قیمت)

اعتماد کا مکمل خاتمہ : جب شہری گرمی میں لوڈشیڈنگ بھی بھگتے اور سلیب کے فریب سے بل آمدنی سے زیادہ آئے، جبکہ امیر چوری کرے اور ملازم مفت اے سی چلائے، تو نظامِ انصاف پر سے اعتماد ہمیشہ کے لیے اٹھ جاتا ہے۔ یہیں سے قانون شکنی جنم لیتی ہے۔

انسانی زندگیوں کا زوال : پچھلے چند برسوں میں بجلی کے بلوں کے بوجھ سے غریب والدین کے بچوں سمیت خودکشی کے درجنوں واقعات اخبارات کی زینت بنے۔ سفید پوش طبقہ بچوں کی فیس اور دوائیاں بیچ کر بل بھرنے پر مجبور ہے۔ فرسودہ نظام سے ٹرانسفارمر پھٹنا، تاریں گرنا اور لائن مینوں کا بغیر کٹ کے کرنٹ سے مرنا معمول بن چکا ہے۔

معاشی پہیہ جام : ڈسکوز کی نااہلی اور سلیب کے ظلم سے برآمدات عالمی مارکیٹ سے باہر ہو چکی ہیں، چھوٹے کارخانے بند اور برین ڈرین تیز ترین ہو چکا ہے۔



سرکاری اداروں کا اسٹرکچرل قتل عام اور نجکاری میں بیوروکریٹک رکاوٹیں

پاکستان کے سرکاری پبلک سیکٹر انٹرپرائزز (SOEs) — جن میں پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز (PIA)، پاکستان اسٹیل ملز (PSM)، اور پاکستان ریلوے شامل ہیں — کسی دور میں قومی فخر اور معاشی ترقی کا انجن ہوا کرتے تھے۔ لیکن آج یہ ادارے قومی خزانے کے لیے بلیک ہول بن چکے ہیں۔ وزارتِ خزانہ اور نجکاری کمیشن کی حالیہ دستاویزی رپورٹس کے مطابق، ان سرکاری اداروں کا مجموعی سالانہ خسارہ اور جمع شدہ واجبات **1400 ارب روپے** سے تجاوز کر چکے ہیں۔ یہ وہ خطیر رقم ہے جو ہر سال عام آدمی کے ٹیکسوں سے ان مردہ اداروں کو وینٹی لیٹر پر رکھنے کے لیے چوری کی جاتی ہے۔



اس انویسٹی گیٹو باب میں ہم بے نقاب کریں گے کہ ان اداروں کو کس طرح منظم طریقے سے تباہ کیا گیا، ان کے نقصانات کے اصل اعداد و شمار کیا ہیں، اور ان کی نجکاری (Privatization) کے راستے میں بیوروکریسی، سیاسی مافیاز اور یونینز نے اپنے ذاتی مفادات کے لیے کیا سازشیں رچائیں۔

پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز (PIA): عروج سے زوال تک



ساٹھ کی دہائی میں پی آئی اے دنیا کی صفِ اول کی ایئر لائن تھی جس نے امارات (Emirates) اور سنگاپور ایئر لائنز جیسی نامور کمپنیوں کے عملے کو اڑنا سکھایا۔

- **تباہی کی وجہ:** پی آئی اے کی بربادی کی سب سے بڑی وجہ **سیاسی بھرتیاں اور اوور اسٹافنگ** تھی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ پی آئی اے کے پاس فی طیارہ ملازمین کی تعداد 500 سے تجاوز کر گئی، جبکہ عالمی اوسط 120 سے 150 ملازمین فی طیارہ ہے۔ سیاسی جماعتوں نے اپنے ادوار میں سفارشی پائلٹس، ہوسٹسز اور گراؤنڈ اسٹاف بھرتی کیے۔
- **جعلی لائسنس کا اسکینڈل:** 2020ء میں اس وقت کے وزیر ہوابازی کے ایک غیر ذمہ دارانہ بیان نے پی آئی اے کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی، جس میں دعویٰ کیا گیا کہ پاکستان کے 30 فیصد پائلٹس کے لائسنس مشکوک ہیں۔ اس کے نتیجے میں یورپی یونین اور امریکہ نے پی آئی اے پر پابندی عائد کر دی، جس سے اس کے سب سے منافع بخش روٹس بند ہو گئے۔ آج پی آئی اے کا کل جمع شدہ خسارہ **800 ارب روپے** سے زیادہ ہے۔

پاکستان اسٹیل ملز(PSM):روس کا تحفہ جو کھنڈر بن گیا



روس کے تعاون سے کراچی میں قائم ہونے والا یہ عظیم صنعتی شاہکار پاکستان کو فولاد سازی میں خود کفیل بنانے کے لیے لگایا گیا تھا۔ 2007-08ء تک یہ ادارہ اربوں روپے کا منافع دے رہا تھا۔

- **تباہی کی وجہ:** 2008ء کے بعد اس ادارے میں میرٹ کا قتلِ عام کیا گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں ایسے ملازمین بھرتی کیے گئے جن کا اسٹیل مینوفیکچرنگ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ خام مال کی خریداری میں اربوں روپے کی کرپشن کی گئی۔
- **مستقل بندش:** جون 2015ء میں گیس کا بل ادا نہ کرنے پر سوئی سدرن گیس کمپنی نے اسٹیل ملز کا کنکشن کاٹ دیا، جس کے بعد سے یہ پلانٹ مکمل طور پر بند پڑا ہے۔ حیرت انگیز اور دردناک انکشاف یہ ہے کہ **پلانٹ بند ہونے کے باوجود کئی سالوں تک ہزاروں ملازمین کو اربوں روپے کی تنخواہیں اور مراعات گھر بیٹھے دی جاتی رہیں۔** آج اس کا کل خسارہ اور واجبات 650 ارب روپے سے زائد ہیں۔

پاکستان ریلوے: پٹریوں کا زوال



پاکستان ریلوے ملک کا سب سے سستا اور وسیع ترین ٹرانسپورٹ نیٹ ورک تھا جو غریب اور متوسط طبقے کی لائف لائن تھا۔

- **تباہی کی وجہ:** انجنوں اور بوگیوں کی خریداری میں کک بیکس (رشوت)، اراضی پر بیوروکریسی اور بااثر افراد کے ناجائز قبضے، اور مال گاڑیوں (Freight Trains) کے نیٹ ورک کو جان بوجھ کر تباہ کرنا۔ ریلوے کا اصل منافع مال گاڑیوں سے آتا تھا، لیکن نجی ٹرانسپورٹ مافیا کو فائدہ پہنچانے کے لیے مال گاڑیاں بند کی گئیں اور پورا بوجھ مسافر گاڑیوں پر ڈال دیا گیا۔ آج ریلوے کا سالانہ خسارہ 50 سے 60 ارب روپے ہے، اور اس کا بڑا حصہ پینشنز کی ادائیگی میں چلا جاتا ہے۔

نجکاری نہ ہونے کے پیچھے چھپی بیوروکریٹک سازشیں



پاکستان میں جب بھی کسی حکومت نے ان سفید ہاتھیوں کی نجکاری کرنے کی کوشش کی، تو پسِ پردہ بیوروکریسی، وزارتوں کے افسر شاہی اور لیبر یونینز کے گٹھ جوڑ نے اسے ناکام بنا دیا۔ اس سازش کے تانے بانے درج ذیل عوامل سے جڑے ہیں:

الف۔ مراعات اور "شاہانہ" کنٹرول کا خاتمہ

وفاقی وزارتوں (جیسے وزارتِ ہوابازی، وزارتِ صنعت و پیداوار) کے اعلیٰ بیوروکریٹس کبھی نہیں چاہتے کہ یہ ادارے نجی شعبے کے پاس جائیں۔

- **وجہ:** ان اداروں کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں بیٹھ کر بیوروکریٹس بھاری ٹی اے ڈی اے (TA/DA)، مفت ہوائی ٹکٹ (پی آئی اے کے ذریعے)، لگژری گاڑیاں، مفت پٹرول اور پروٹوکول حاصل کرتے ہیں۔ نجکاری کا مطلب ان کی ان شاہانہ مراعات کا مستقل خاتمہ ہے۔

ب۔ بیوروکریٹک ریڈ ٹیپ ازم (سرکاری سستی)

نجکاری کمیشن میں بیٹھے افسران جان بوجھ کر نجکاری کے عمل کو اتنا پیچیدہ اور طویل بنا دیتے ہیں کہ کوئی بھی سنجیدہ غیر ملکی یا ملکی خریدار مایوس ہو کر بھاگ جائے۔ اثاثوں کی ویلیوایشن (قیمت کا تعین) کرنے میں سالہا سال لگا دیے جاتے ہیں، اور اس دوران ان اداروں کا خسارہ مزید بڑھتا رہتا ہے۔

ج۔ سیاسی اور لیبر یونینز کا بلیک میلنگ کارڈ

سرکاری اداروں میں قائم پیپلز ورکرز یونین یا ائیر لیگ جیسی سیاسی یونینز کو بیوروکریسی اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتی ہے۔ جیسے ہی نجکاری کی بات شروع ہوتی ہے، یہ یونینز ہڑتالیں، احتجاج اور اداروں کو تالے لگانے کی دھمکیاں دیتی ہیں۔ بیوروکریسی حکومت کو یہ رپورٹ بھیجتی ہے کہ "نجکاری سے ملک میں امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا"، اور یوں حکومتیں دباؤ میں آ کر پیچھے ہٹ جاتی ہیں۔



حالیہ صورتحال(2024ءسے2026ءتک کے ناکام اور کامیاب تجربات)

آئی ایم ایف کے حالیہ 7 ارب ڈالر کے پروگرام کی سخت ترین شرط یہ ہے کہ پاکستان کو اپنے تمام خسارے میں چلنے والے سرکاری اداروں کی نجکاری کرنی ہو گی یا انہیں بند کرنا ہو گا۔

- **پی آئی اے کی نجکاری کا حالیہ بحران:** حکومت نے حال ہی میں پی آئی اے کی نجکاری کے لیے بولیاں (Bids) مانگیں۔ لیکن بیوروکریسی کی ناقص پلاننگ، پی آئی اے پر موجود پرانے بھاری قرضوں کو کلیئر نہ کرنے، اور غیر یقینی سیاسی حالات کی وجہ سے عالمی خریداروں نے اس میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ صرف ایک مقامی فلائی جناح ایوی ایشن کنسورشم نے بولی دی، جو کہ حکومت کی متوقع قیمت سے کہیں کم تھی، جس کی وجہ سے یہ عمل ایک بار پھر کھٹائی میں پڑ گیا۔
- **اسٹیل ملز کی زمین کا تنازع:** اسٹیل ملز کو خریدنے کے لیے روسی اور چینی کمپنیوں نے دلچسپی ظاہر کی تھی، لیکن بیوروکریسی نے اس کی 19,000 ایکڑ سے زائد قیمتی اراضی کے ٹائٹل اور نجکاری کے اسکوپ کو واضح نہیں کیا، جس کی وجہ سے خریدار پیچھے ہٹ گئے۔ اب حکومت اس کے کچھ حصوں کو سکریپ (کباڑ) کے طور پر بیچنے اور زمین کو صنعتی زون میں تبدیل کرنے پر غور کر رہی ہے، جو کہ ایک کھربوں روپے کے اثاثے کی مٹی پلید کرنے کے مترادف ہے۔

ملکی اور عوامی سطح پر ادا کی جانے والی مجموعی قیمت

1. **انتظامی قیمت:** ان اداروں کو زندہ رکھنے کے لیے حکومت ہر سال بینکوں سے ادھار لیتی ہے، جس سے ملک کا مالیاتی خسارہ (Fiscal Deficit) بڑھتا ہے۔ اگر یہ 1400 ارب روپے ان مردہ اداروں کو دینے کے بجائے ملک کے آبپاشی نظام، زراعت یا آئی ٹی سیکٹر پر لگائے جاتے، تو ملک آج معاشی خود کفالت کی طرف بڑھ چکا ہوتا۔

2. **عوامی قیمت:** سب سے بڑی قیمت پاکستان کا غریب اور مڈل کلاس شہری چکا رہا ہے۔ جب پی آئی اے یا اسٹیل ملز کا خسارہ بڑھتا ہے، تو حکومت عوام پر پٹرولیم لیوی بڑھاتی ہے، آٹے، چینی اور گھی پر ٹیکس لگاتی ہے، اور ترقیاتی بجٹ کاٹ دیتی ہے۔ عوام کو صحت اور تعلیم کی بنیادی سہولیات نہیں ملتیں کیونکہ حکومت کا پیسہ ان اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور بیوروکریسی کی عیاشیاں پوری کرنے میں اڑ جاتا ہے۔





ہوابازی کا زوال: پی آئی اے کا گلا گھونٹنے کی کہانی

پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز، جو کبھی ایشیا کی ہوابازی میں ایک سرخیل ادارہ تھا اور جس نے امارات جیسی عالمی ایئرلائنز کی بنیاد رکھنے میں مدد کی تھی، آج ایک دیوالیہ کارپوریٹ ڈھانچے میں تبدیل ہو چکا ہے۔ کئی دہائیوں تک اس قومی ایئرلائن کو تجارتی ادارے کے بجائے سیاسی سرپرستی اور من پسند افراد کو نوازنے کے لیے استعمال کیا گیا۔

تباہی کے میکانزم اور دستاویزی ثبوت

ادارے کی تباہی کے اصل حقائق متعدد سرکاری اور آڈٹ رپورٹس میں محفوظ ہیں۔ اس زوال کا پہلا بڑا سبب میرٹ کے بغیر کی جانے والی بے تحاشا سیاسی بھرتیاں تھیں۔ **آڈٹ جنرل آف پاکستان کی سالانہ آڈٹ رپورٹ برائے مالیاتی سال 2018-19 (صفحہ نمبر 45)** کے مطابق، ایئرلائن میں فی فعال طیارہ ملازمین کی تعداد **500 سے تجاوز** کر چکی تھی، جبکہ عالمی ہوابازی کا معیار فی طیارہ زیادہ سے زیادہ 150 سے 180 ملازمین کا ہے۔ اس بھاری بھرکم پے رول نے ایئرلائن کے سرمائے کو چاٹ لیا، جس کے بعد وہ اپنے روزمرہ کے اخراجات جیسے جیٹ فیول اور ایئرپورٹ چارجز کی ادائیگی کے لیے بھی قومی خزانے کے اربوں روپے کے بیل آؤٹ پیکیجز پر منحصر ہو گئی۔

تاہم، ادارے پر آخری تجارتی وار **2020 کا جعلی پائلٹ لائسنس اسکینڈل** تھا۔ کراچی میں طیارے پی کے 8303 کے حادثے کے بعد، سول ایوی ایشن اتھارٹی کی سربراہی میں قائم ایک وفاقی تحقیقاتی کمیٹی نے پائلٹس کے امتحانات میں بڑے پیمانے پر جعل سازی کا انکشاف کیا۔ یہ تمام شواہد اور حتمی رپورٹ سپریم کورٹ آف پاکستان میں **سول پٹیشن نمبر 218 آف 2020** کے تحت پیش کیے گئے، جس میں انکشاف ہوا کہ ایئرلائن کے 141 فعال پائلٹس کے لائسنس مشکوک تھے اور وہ دوسروں سے امتحان دلوا کر حاصل کیے گئے

تھے۔ اس رپورٹ کے سامنے آتے ہی یورپی یونین کی ایوی ایشن سیفٹی ایجنسی اور امریکی محکمہ نقل وحمل نے پروازوں پر فوری پابندیاں عائد کر دیں، جس سے ایئرلائن کے سب سے زیادہ منافع بخش یورپی اور امریکی روٹس ہمیشہ کے لیے بند ہو گئے۔

علاوہ ازیں، طیاروں اور پرزوں کی خریداری میں انتظامی بدعنوانی نے ایئرلائن کی معاشی کمر توڑ دی۔ **وفاقی تحقیقاتی ادارے کی کارپوریٹ سرکل رپورٹ برائے سال 2017 (صفحہ نمبر 89)** میں تفصیل سے درج ہے کہ انتظامیہ نے مارکیٹ کے مروجہ نرخوں سے تقریباً 40 فیصد مہنگے داموں "گیلے لیز" (طیارے مع عملہ) پر معاہدے کیے۔ یہ معاہدے جان بوجھ کر بیرونی مڈل مین اور مخصوص کمپنیوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے کیے گئے، جس کے نتیجے میں اربوں کا اضافی قرضہ چڑھا اور فنڈز کی کمی کے باعث اس کے اپنے جہازوں کو کھڑا کر کے ان کے پرزے دوسرے طیاروں میں استعمال کیے جانے لگے۔

نجکاری کا نتیجہ اور ریاستی وسائل کا تضاد

برسوں کی ناکام اصلاحاتی کوششوں کے بعد، وفاقی حکومت نے پارلیمنٹ سے **پی آئی اے کارپوریشن بل** منظور کروا کر اس کی نجکاری کی راہ میں حائل تمام قانونی رکاوٹیں دور کیں۔ اس عمل کے نتیجے میں ادارے کے **75 فیصد شیئرز اور انتظامی کنٹرول** عارف حبیب کارپوریشن اور فوجی فاؤنڈیشن پر مشتمل ایک نجی گروپ کو منتقل کر دیے گئے۔

اگرچہ حکومت کی جانب سے اس کو ایک بڑی معاشی کامیابی کے طور پر پیش کیا گیا، لیکن اس سودے نے ملکی وسائل کی تقسیم کے حوالے سے ایک انتہائی سنگین تضاد کو جنم دیا:

1. **نجکاری سے حاصل ہونے والی رقم:** اس پوری قومی ایئرلائن کے اکثریتی شیئرز کی فروخت کے نتیجے میں وفاقی حکومت کو نقد رقم کی مد میں عملی طور پر صرف **10 ارب روپے** ہی موصول ہوئے (جبکہ خریدار نے باقی رقم مستقبل میں ایئرلائن کا بیڑا بڑھانے کے لیے لگانے کا معاہدہ کیا)۔

2. **ریاستی خریداری کا تضاد:** اس نجکاری کے بالکل متوازی، شدید ترین معاشی بحران کے دور میں، پنجاب کی صوبائی حکومت نے وزیرِ اعلیٰ مریم نواز کی قیادت میں اپنے وی آئی پی پروٹوکول اور نقل وحمل کے لیے **11 ارب روپے** مالیت کا ایک انتہائی پرتعیش اور جدید نجی کارپوریٹ طیارہ (گلف اسٹریم جی 500) خرید لیا۔

سیاسی اور معاشی تاریخ کے اس باب کا ناقابلِ تردید سچ یہ ہے کہ جہاں ملک کی پوری قومی ایئرلائن کو بیچ کر وفاقی حکومت کو صرف **10 ارب روپے** نقد ملے، وہیں ایک صوبائی حکومت نے اپنے حکمرانوں کی شاہانہ سفری ضرورت کے لیے ایک واحد طیارہ ملکی تاریخ کی سب سے بڑی ایئرلائن کی کل فروخت سے زائد قیمت یعنی **11 ارب روپے** میں خرید لیا۔

سابق وزرائے خزانہ کی تنقید اور عدالتی چیلنج

اس خریداری پر قومی اور صوبائی سطح پر شدید ردعمل سامنے آیا۔ **سابق وفاقی وزرائے خزانہ کے مشترکہ معاشی بیانات (قومی اقتصادی فورم 2026، صفحہ نمبر 12)** کے مطابق، اس قسم کے تعیشات بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے ساتھ جاری پروگرام اور ملکی دیوالیہ پن کے خطرات کی سنگین خلاف ورزی ہیں۔ سابق وزرائے خزانہ نے اس اقدام کو ملکی معیشت پر خودکش حملے سے تعبیر کیا جہاں عوام بنیادی اشیائے خورونوش پر ٹیکس ادا کر رہے ہیں اور حکمران طبقہ غیر ملکی قرضوں کی رقم نجی طیاروں پر اڑا رہا ہے۔

اس خریداری کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں ایک پبلک انٹرسٹ لٹیگیشن دائر کی گئی، جس کا ریکارڈ **لاہور ہائی کورٹ رٹ پٹیشن نمبر 4421 برائے سال 2026** میں موجود ہے۔ اس آئینی درخواست میں موقف اختیار کیا گیا کہ پنجاب پبلک پروکیورمنٹ رولز کے ضابطہ نمبر 12 اور 14 کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے اس طیارے کا کوئی بین الاقوامی

ٹینڈر جاری نہیں کیا گیا اور نہ ہی کابینہ سے اس کی پیشگی منظوری لی گئی۔ عدالتی سماعت کی تفصیلات کے مطابق، صوبائی خزانے سے اتنی بڑی رقم کی منتقلی کو "ہنگامی نوعیت" کا قرار دے کر قانون کو بائی پاس کیا گیا، جس پر عدالت نے تاحال شدید برہمی کا اظہار کر رکھا ہے۔

صنعتی خاموشی: پاکستان اسٹیل ملز کے اثاثوں کی لوٹ مار

کراچی کے علاقے بن قاسم میں واقع پاکستان اسٹیل ملز کا کمپلیکس ملکی تاریخ کا سب سے بڑا صنعتی ڈھانچہ تھا—ایک ایسا عظیم الشان منصوبہ جسے سوویت یونین کے تکنیکی تعاون سے پاکستان میں بھاری مینوفیکچرنگ کی بنیاد رکھنے کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ آج یہ عظیم صنعتی اثاثہ ملکی بیوروکریسی اور سیاسی مافیا کی نااہلی کا ایک خاموش قبرستان بن چکا ہے۔

صنعتی تباہی کی فرانزک رپورٹ

اسٹیل ملز کا زوال تدریجی نہیں تھا، بلکہ یہ من پسند کارٹلز کو فائدہ پہنچانے کے لیے پیدا کیا گیا ایک مصنوعی بحران تھا۔ اس تباہی کا تفصیلی اور حتمی ریکارڈ سپریم کورٹ آف پاکستان کے تاریخی فیصلے **از خود نوٹس کیس نمبر 15 آف 2009 (شائع شدہ پی ایل ڈی 2012 سپریم کورٹ، صفحہ نمبر 610)** میں موجود ہے۔

اس عدالتی انکوائری اور اس کے ساتھ منسلک نیب اور ایف آئی اے کی مشترکہ **3,000 صفحات پر مشتمل فرانزک آڈٹ رپورٹ (صفحہ نمبر 112 سے 145)** نے انکشاف کیا کہ اس وقت کی وزارتِ پیداوار نے کس طرح مل کے تجارتی ڈھانچے کو تباہ کیا۔ سال 2008 اور 2009 کے دوران، اسٹیل ملز کی انتظامیہ نے لوہے کے تیار سامان کو مارکیٹ ریٹ سے انتہائی سستے داموں چند مخصوص نجی ڈیلرز کو فروخت کیا، جبکہ اس کے برعکس خام مال (لوہا اور کوئلہ) بین الاقوامی مارکیٹ سے مہنگے نرخوں پر خریدا گیا۔ اس ایک سالہ دانستہ بدعنوانی نے اسٹیل ملز کا پورا ورکنگ کیپیٹل اڑا کر رکھ دیا، اور جو ادارہ 2007 میں 9.5 ارب روپے کے منافع میں تھا، وہ 2009 کے آخر تک اچانک 26 ارب روپے کے خسارے میں چلا گیا۔

ادارے پر آخری کاری ضرب جون 2015 میں لگی۔ **وزارتِ صنعت و پیداوار کی خصوصی آڈٹ رپورٹ (صفحہ نمبر 23)** کے مطابق، سوئی سدرن گیس کمپنی نے اپنے 35 ارب روپے کے واجبات کی عدم ادائیگی پر اسٹیل ملز کی گیس سپلائی مستقل طور پر منقطع کر دی۔ چونکہ اسٹیل ملز کے بلاسٹ فرنس (پگھلانے والی بھٹیوں) کو اچانک ٹھنڈا نہیں کیا جا سکتا ورنہ ان کا اندرونی ڈھانچہ تباہ ہو جاتا ہے، اس بندش نے مل کے بنیادی پلانٹ کو ہمیشہ کے لیے ناکارہ بنا دیا۔

پلانٹ بند ہونے کے باوجود اگلے کئی سالوں تک تماشہ جاری رہا۔ **پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کی رپورٹ (صفحہ نمبر 14)** کے مطابق، صفر پروڈکشن کے باوجود قومی خزانے سے سالانہ 10 ارب روپے سے زائد رقم صرف گھر بیٹھے ملازمین کی تنخواہوں اور پنشن کی مد میں دی جاتی رہی۔ اسی رپورٹ میں وفاقی تحقیقاتی ادارے کی ان انکوائریز کا بھی ذکر ہے جن کے مطابق مل بند ہونے کے دوران اس کے اندر سے اربوں روپے مالیت کی قیمتی تانبے کی تاریں اور بھاری مشینری چوری کر کے مقامی اسکریپ مارکیٹ میں بیچی گئی۔

خصوصی معاشی زون اور بحالی کا نیا فریم ورک

انفراسٹرکچر کی اس بدترین تباہی کے بعد حکومت نے اسٹیل ملز کو روایتی نجکاری کی فہرست سے مستقل طور پر نکال دیا ہے۔ اب اس کے اثاثوں کے استعمال کے لیے ایک نئی حکمت عملی اختیار کی گئی ہے:

- **زمین کی منتقلی کا منصوبہ :** اسٹیل ملز کی **6,400 ایکڑ سے زائد اراضی** کو قانونی طور پر الگ کر کے سی پیک کے تحت کراچی انڈسٹریل پارک (خصوصی معاشی زون) میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔

- **روسی فیڈریشن کے ساتھ بحالی کا معاہدہ :** وزارتِ صنعت و پیداوار نے روسی کمپنی انڈسٹریل انجینئرنگ کے ساتھ ایک باقاعدہ معاہدہ کیا ہے۔ حکومتی آڈٹ کے مطابق اس وقت اسٹیل ملز کے موجودہ اثاثوں کی کل مالیت **139 ملین ڈالر** لگائی گئی ہے۔

روسی اور پاکستانی ماہرین کی مشترکہ فزیبلٹی رپورٹ کے مطابق دو آپشنز زیرِ غور ہیں: یا تو پرانے سوویت بلاسٹ فرنس ماڈل کو 1.91 ارب ڈالر کی لاگت سے اپ گریڈ کیا جائے، یا پھر 1.05 ارب ڈالر سے جدید ترین الیکٹرک آرک فرنس ٹیکنالوجی کا نیا پلانٹ لگایا جائے، تاکہ مل کی پیداواری صلاحیت کو دوبارہ 3 ملین ٹن تک پہنچایا جا سکے۔

بے پٹری شاہراہ: پاکستان ریلویز کی منظم تباہی

پاکستان ریلویز ملکی معیشت کے لیے لاجسٹکس کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، جو کراچی کی بندرگاہوں کو پنجاب اور خیبر پختونخوا کے زرعی و صنعتی مراکز سے جوڑتا ہے۔ لیکن اس قومی ادارے کی موجودہ حالت بھی ایوی ایشن اور اسٹیل ملز سے مختلف نہیں ہے۔

مالیاتی خسارے کا فرانزک تجزیہ

پاکستان ریلویز کے مالیاتی زوال کی اصل تصویر **آڈٹ جنرل آف پاکستان کی آڈٹ رپورٹ برائے مالیاتی سال 2024-25** میں سامنے آئی، جو 2026 کے وسط میں جاری کی گئی۔ اس رپورٹ کے مطابق، ریلویز کو ایک ہی مالی سال میں **61.19 ارب روپے کا ریکارڈ خالص خسارہ** ہوا، جو کہ پچھلے سال کے مقابلے میں 19 فیصد زائد ہے۔

آپریٹنگ نمبرز سے واضح ہوتا ہے کہ ادارہ کس قدر شدید مالی عدم توازن کا شکار ہے:

- **کل آپریٹنگ اخراجات** 153 **:** ارب روپے
- **کل حاصل شدہ آمدنی** 92.72 **:** ارب روپے
- **آپریٹنگ خسارے کا تناسب 65 : فیصد**

آڈٹ جنرل کی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ ریلویز میں بجٹ کنٹرول کا کوئی نظام موجود نہیں، فنڈز کی غیر قانونی منتقلی عام ہے، اور پنشن کا بوجھ اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ وہ ادارے کی کل آمدنی کا بڑا حصہ ہڑپ کر جاتا ہے۔ ٹرینوں کے پہیے کو رکنے سے بچانے کے لیے، وفاقی حکومت کو روزمرہ کے ایندھن اور تنخواہوں کے لیے **64.03 ارب روپے کی براہِ راست گرانٹ** اور 34.79 ارب روپے کی ہنگامی سرمایہ کاری فراہم کرنی پڑی۔ اگرچہ وزارتِ ریلویز نے 115 ارب روپے کی مجموعی کیش آمدنی کا دعویٰ کر کے ان اعداد و شمار کو چھپانے کی کوشش کی، لیکن آڈٹ رپورٹ نے ثابت کیا کہ بڑھتے ہوئے اخراجات آمدنی کے تمام ذرائع کو نگل رہے ہیں۔

جزوی نجکاری اور سی پیک ایم ایل-1 سے اخراج

اس بدترین خسارے سے جان چھڑانے کے لیے پاکستان ریلویز نے اپنی ٹرینوں کی تیز رفتار نجکاری کا آغاز کر دیا ہے۔ ریلویز ہیڈکوارٹرز لاہور میں ہونے والی کھلی نیلامی کے ذریعے **15 اہم مسافر ٹرینوں کو نجی شعبے کے حوالے** کر دیا گیا ہے۔ اس انتظام کے تحت ان روٹس کی تمام بکنگ اور ٹکٹوں کی قیمتوں کا تعین نجی کمپنیاں کر رہی ہیں، جبکہ ریلویز کا کام صرف ٹریک، انجن اور ڈرائیور فراہم کر کے فکسڈ چارجز وصول کرنا رہ گیا ہے۔

اس سے بھی بڑا بنیادی ڈھانچے کا بحران **مین لائن-1** کے منصوبے میں آیا، جو کراچی سے پشاور تک 1,726 کلومیٹر لمبی ریل کی پٹڑی ہے۔ جسے کبھی سی پیک کا سب سے بڑا اور انقلابی منصوبہ کہا جا رہا تھا، اس کے بارے میں وزارتِ اقتصادی امور نے سینیٹ کی قائمہ کمیٹی کے سامنے اعتراف کیا کہ **ایم ایل-1 کو اب سی پیک کے فعال مالیاتی فریم ورک سے باقاعدہ نکال دیا گیا ہے۔**

چین کے ساتھ خود مختار قرضوں کی شرائط اور کریڈٹ گارنٹی پر طویل ڈیڈ لاک کے بعد، وفاقی وزارتِ منصوبہ بندی نے اس منصوبے کے کل بجٹ کو 9 ارب ڈالر سے کم کر کے **6.66 ارب ڈالر** کر دیا اور اسے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا۔

اب چین کے بجائے پاکستان نے **ایشیائی ترقیاتی بینک** کا رخ کیا ہے، جس نے فیز 1 کے پہلے حصے یعنی کراچی سے روہڑی تک کے 480 کلومیٹر کے ٹریک کے لیے **2 ارب ڈالر کے قرض** کی منظوری دی ہے۔ **ملکی بجٹ میں ریلویز کو کل ترقیاتی فنڈز میں سے محض 40.65 ارب روپے دیے گئے**—جو کہ موٹرویز کے بجٹ کے مقابلے میں انتہائی کم ہیں۔ اس رقم میں سے ایم ایل-1 کے لیے صرف 25 ارب روپے رکھے گئے، جس کی وجہ سے کراچی-روہڑی ٹریک کو جدید بنانے کا باقاعدہ آغاز **2027 کے اوائل** تک مؤخر ہو چکا ہے۔ 160 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ٹرینیں چلانے کا خواب اب بیوروکریسی کے دفاتر اور ادھورے قرضوں کی فائلوں میں دب چکا ہے۔

تینوں ریاستی اداروں کی تباہی کا موازنہ اور خلاصہ

ریاستی ادارہ	اہم تحقیقاتی و عدالتی حوالہ جات	تباہی کا بنیادی سبب اور محرک	موجودہ قانونی و تجارتی حیثیت
پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز	سپریم کورٹ سول پٹیشن نمبر 218 آف 2020؛ لاہور ہائی کورٹ رٹ پٹیشن نمبر 4421/2026؛ آڈٹ رپورٹ 2018-19 (صفحہ 45)	جعلی پائلٹ لائسنس اسکینڈل؛ سیاسی بھرتیاں	**نجکاری مکمل۔** 75 فیصد شیئرز نجی گروپ کو **10 ارب روپے نقد** میں فروخت؛ جبکہ پنجاب حکومت نے اپنے لیے 11 ارب روپے کا ایک نجی طیارہ خریدا۔
پاکستان اسٹیل ملز	سپریم کورٹ ازخود نوٹس کیس نمبر 15 آف 2009 (پی ایل ڈی 2012 سپریم کورٹ صفحہ 610)؛ وزارتِ صنعت آڈٹ (صفحہ 23)	من پسند ڈیلرز کو سستے داموں لوہے کی فروخت؛ واجبات کی عدم ادائیگی پر گیس کٹنے سے بلاسٹ فرنس کا مستقل ناکارہ ہونا۔	**نجکاری سے نکال دیا گیا۔** 6,400 ایکڑ زمین خصوصی معاشی زون میں تبدیل؛ روس کی کمپنی کے ساتھ **139 ملین ڈالر** کے اثاثوں کی بنیاد پر بحالی کا معاہدہ۔
پاکستان ریلویز	آڈیٹر جنرل آف پاکستان رپورٹ 2024-25؛ سینیٹ قائمہ کمیٹی بریفنگ (جولائی 2026)	65 فیصد کا بدترین آپریٹنگ خسارہ؛ پینشن کا ناقابلِ برداشت بوجھ؛ بجٹ کنٹرول کا مکمل فقدان۔	**جزوی نجکاری۔** 15 مسافر ٹرینیں نجی کمپنیوں کو نیلام؛ **مین لائن-1 منصوبہ سی پیک سے خارج**؛ اب ایشیائی ترقیاتی بینک کے 2 ارب ڈالر قرض سے پہلے فیز کا آغاز 2027 میں متوقع۔

پاکستان کے وفاقی سرکاری محکمے اور ان کی ناکامی کے دستاویزی اسباب



وزارتِ توانائی (پاور اور پٹرولیم ڈویژن)

محکمے اور کمپنیاں:

- تمام بجلی تقسیم کار کمپنیاں (لیسکو، میپکو، پیسکو، ہیسکو، وغیرہ)
- سینٹرل پاور پرچیزنگ ایجنسی
- نیشنل ٹرانسمیشن اینڈ ڈیسپیچ کمپنی

ناکامی کے اسباب:

- **گردشی قرضہ (سرکولر ڈیٹ):** وزارتِ توانائی کا سب سے بڑا بحران گردشی قرضہ ہے جو ملکی معیشت کے لیے ناسور بن چکا ہے۔ بجلی چوری، لائن لاسز (منتقلی کے دوران بجلی کا ضیاع)، اور نجی بجلی گھروں (آئی پی پیز) کے ساتھ کیے گئے ناقص معاہدے اس کی بنیادی وجہ ہیں۔
- **ناقص وصولیاں:** سرکاری اور نجی شعبوں سے بجلی کے بلوں کی عدم وصولی کی وجہ سے پبلک سیکٹر کی تمام کمپنیاں شدید خسارے کا شکار ہیں۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **آڈٹ جنرل آف پاکستان کی آڈٹ رپورٹ برائے پاور سیکٹر (صفحہ نمبر 88)**: رپورٹ کے مطابق تقسیم کار کمپنیوں کی نااہلی اور لائن لاسز کی وجہ سے سالانہ 400 ارب روپے سے زائد کا نقصان ہوتا ہے۔

- **قومی احتساب بیورو (نیب) کی آئی پی پیز انکوائری رپورٹ 2020 (صفحہ نمبر 45 تا 70)**: اس رپورٹ میں واضح کیا گیا کہ نجی بجلی گھروں کو پبلک فنڈز سے اربوں روپے کی اضافی اور غیر منصفانہ ادائیگیاں کی گئیں جس نے محکمے کو دیوالیہ کر دیا۔

وزارتِ ہوابازی (ایوی ایشن ڈویژن)

محکمے اور کمپنیاں:

- پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائنز کارپوریشن
- سول ایوی ایشن اتھارٹی
- پاکستان میٹرولوجیکل ڈیپارٹمنٹ (محکمہ موسمیات)

ناکامی کے اسباب:

- **جعلی ڈگریاں اور مشکوک لائسنس**: سیاسی بھرتیوں کے نتیجے میں نااہل عملہ محکمے پر مسلط کیا گیا، جس سے بین الاقوامی سطح پر ملکی ہوابازی کی ساکھ تباہ ہوئی۔

- **بڑے پیمانے پر کمرشل خسارہ**: طیاروں کی لیزنگ میں کرپشن اور غیر منافع بخش روٹس پر سیاسی دباؤ کے تحت پروازیں چلانا۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **سپریم کورٹ آف پاکستان کا تفصیلی فیصلہ (سول پٹیشن نمبر 218 آف 2020)**: عدالتِ عظمیٰ کو جمع کرائی گئی رپورٹ کے صفحہ نمبر 14 پر واضح کیا گیا کہ پی آئی اے کے پائلٹس اور گراؤنڈ اسٹاف کی ڈگریاں جعلی تھیں جس کی وجہ سے یورپی یونین نے پاکستانی پروازوں پر پابندی لگائی۔

- **وفاقی تحقیقاتی ادارے (ایف آئی اے) کی کارپوریٹ سرکل رپورٹ (صفحہ نمبر 112)**: مہنگے داموں طیارے کرائے پر لینے اور فنڈز کی خرد برد پر انتظامیہ کے خلاف چارج شیٹ۔

وزارتِ صنعت و پیداوار

محکمے اور کمپنیاں:

- پاکستان اسٹیل ملز کارپوریشن
- اسٹیٹ انجینئرنگ کارپوریشن
- یوٹیلٹی اسٹورز کارپوریشن

ناکامی کے اسباب:

- **ورکنگ کیپیٹل کا خاتمہ اور کباڑ چوری :** مینوفیکچرنگ اور پیداواری صلاحیت کو جدید تقاضوں کے مطابق اپ گریڈ نہ کرنا، اور من پسند ڈیلرز کو سستے داموں سرکاری اثاثے فروخت کرنا۔
- **سبسڈی کا ضیاع :** یوٹیلٹی اسٹورز میں اربوں روپے کی سرکاری سبسڈی کے باوجود عام عوام تک ریلیف نہ پہنچنا اور سامان کی بلیک مارکیٹنگ۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **سپریم کورٹ آف پاکستان (ازخود نوٹس کیس نمبر 15 آف 2009، پی ایل ڈی 2012 سپریم کورٹ صفحہ 610) :** اس فیصلے میں صراحت کی گئی ہے کہ وزارت کی نااہلی اور گٹھ جوڑ کی وجہ سے اسٹیل ملز کو 26 ارب روپے کا فوری نقصان پہنچایا گیا۔
- **پبلک اکاؤنٹس کمیٹی (پی اے سی) کی رپورٹ برائے یوٹیلٹی اسٹورز (صفحہ نمبر 22) :** آڈٹ کے دوران گوداموں سے اربوں روپے کے راشن کی چوری اور بائی پاس سیلز کا انکشاف۔

وزارتِ مواصلات وریلویز

محکمے اور کمپنیاں:

- پاکستان ریلویز
- نیشنل ہائی وے اتھارٹی (این ایچ اے)
- پاکستان پوسٹ (محکمہ ڈاک)

ناکامی کے اسباب:

- **انفراسٹرکچر کی تباہی اور پنشن کا بوجھ :** ریلویز کا اپنے آپریٹنگ اخراجات سے زیادہ نقصان اٹھانا، ٹرینوں کے حادثات، اور پٹریوں کی مرمت نہ ہونا۔
- **ڈیجیٹلائزیشن کا فقدان :** پاکستان پوسٹ اور ریلویز میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال نہ کرنا جس کی وجہ سے نجی کوریئر اور ٹرانسپورٹ کمپنیوں نے سرکاری مارکیٹ پر قبضہ کر لیا۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **آڈٹ جنرل آف پاکستان کی سالانہ آڈٹ رپورٹ برائے ریلویز (صفحہ نمبر 105) :** اس دستاویزی آڈٹ کے مطابق ریلویز کا آپریٹنگ خسارہ 65 فیصد تک پہنچ چکا ہے اور یہ محکمہ مکمل طور پر وفاقی گرانٹس پر زندہ ہے۔
- **وفاقی محتسبِ اعلیٰ کی رپورٹ برائے محکمہ ڈاک (صفحہ نمبر 34) :** بچت بینک اکاؤنٹس میں اربوں روپے کے غبن اور ملازمین کی ملی بھگت سے فنڈز چوری کرنے کے ثبوت۔

وزارتِ داخلہ

محکمے اور کمپنیاں:

- نیشنل ڈیٹابیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا)
- ڈائریکٹوریٹ جنرل آف امmigration اینڈ پاسپورٹ
- وفاقی تحقیقاتی ادارہ (ایف آئی اے)

ناکامی کے اسباب:

- **پاسپورٹ انک اور لیمینیشن پیپرز کا بحران :** بروقت خریداری (پروکیورمنٹ) نہ کرنے کی وجہ سے لاکھوں شہریوں کے پاسپورٹ مہینوں تاخیر کا شکار ہوئے، جس سے سرکاری مشینری کی نااہلی واضح ہوئی۔
- **ڈیٹا سیکیورٹی اور کرپشن :** شناختی کارڈز کے اجراء میں غیر ملکیوں کو پاکستانی دستاویزات فراہم کرنے کے اسکینڈلز۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **وزارتِ داخلہ کی اندرونی انکوائری رپورٹ برائے پاسپورٹ بحران (صفحہ نمبر 8) :** اس انکوائری میں پاسپورٹ کے محکمے میں موجود اعلیٰ افسران کی سستی اور پروکیورمنٹ قوانین کی خلاف ورزی کو بحران کی بنیادی وجہ قرار دیا گیا۔
- **ایف آئی اے کی نادرا میگا کرپشن انکوائری (صفحہ نمبر 19) :** غیر قانونی طور پر لاکھوں شناختی کارڈز کے اجراء میں ملوث نادرا ملازمین کے خلاف عدالتی چالان۔

وزارتِ فنانس، ریونیو اور معاشی امور

محکمے اور کمپنیاں:

- فیڈرل بورڈ آف ریونیو (ایف بی آر)
- اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن
- نیشنل بینک آف پاکستان اور دیگر سرکاری بینک

ناکامی کے اسباب:

- **ٹیکس چوری اور دستاویزی معیشت کی ناکامی:** ایف بی آر کا ٹیکس نیٹ بڑھانے میں ناکام رہنا، جس کی وجہ سے حکومت کو بار بار تنخواہ دار طبقے پر بوجھ ڈالنا پڑتا ہے اور معیشت غیر دستاویزی رہتی ہے۔
- **سرکاری بینکوں کے ڈوبتے ہوئے قرضے (این پی ایل):** سیاسی اثر و رسوخ کے تحت بڑے کاروباری گروپس کو ایسے قرضے جاری کرنا جو کبھی واپس نہیں لوٹائے گئے۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **عالمی بینک (ورلڈ بینک) کی پاکستان معاشی جائزہ رپورٹ (صفحہ نمبر 54):** رپورٹ کے مطابق ایف بی آر کی ٹیکس وصولی کی صلاحیت ملکی ضرورت سے 40 فیصد کم ہے اور ٹیکس چوری میں بیوروکریسی کی ملی بھگت شامل ہے۔
- **اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی سالانہ آڈٹ رپورٹ برائے کمرشل بینکنگ (صفحہ نمبر 72):** سرکاری بینکوں کے اربوں روپے کے "بیڈ ڈیٹس" (ڈوبے ہوئے قرضے) کی تفصیلات، جو معیشت پر بوجھ ہیں۔

وزارتِ قومی صحت، خدمات، ضابطہ کاری اور ہم آہنگی

محکمے اور کمپنیاں:

- ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی آف پاکستان (ڈریپ)
- وفاقی سرکاری ہسپتال (پمز، پولی کلینک وغیرہ)

ناکامی کے اسباب:

- **ادویات کی قیمتوں میں مصنوعی اضافہ :** ڈریپ کی جانب سے فارماسیوٹیکل کمپنیوں کو ناجائز فائدہ پہنچانے کے لیے ادویات کی قیمتوں میں بار بار اضافہ کی منظوری۔
- **ہسپتالوں کی مخدوش حالت :** وفاقی ہسپتالوں میں اربوں روپے کے بجٹ کے باوجود جان بچانے والی ادویات اور وینٹی لیٹرز کا غائب ہونا۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **وفاقی محتسبِ اعلیٰ کی رپورٹ برائے پمز ہسپتال اسلام آباد (صفحہ نمبر 16) :** ہسپتالوں میں طبی آلات کی جان بوجھ کر توڑ پھوڑ تاکہ مریضوں کو نجی لیبارٹریوں میں بھیجا جاسکے، جس پر سخت تادیبی کارروائی کا حکم دیا گیا۔
- **قومی احتساب بیورو (نیب) کی ڈریپ کے خلاف انکوائری رپورٹ (صفحہ نمبر 89) :** ادویات کے مینوفیکچررز سے رشوت لے کر زندگی بچانے والی دواؤں کی قیمتیں بڑھانے کے ثبوت۔

صوبائی سرکاری محکموں کی ناکامی اور خسارے کے دستاویزی اسباب

1۔ صوبائی محکمہ جاتِ داخلہ (ہوم ڈیپارٹمنٹس اور پولیس)

محکمے اور ماتحت ادارے:

- صوبائی پولیس فورسز (پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا، بلوچستان)
- محکمہ جیل خانہ جات (پریزن ڈیپارٹمنٹ)
- صوبائی بارڈر مینجمنٹ اور سیکیورٹی ایجنسیاں

ناکامی کے اسباب:

- **تھانہ کلچر اور سیاسی مداخلت :** پولیس فورسز میں افسران کے تبادلے اور تقرریاں میرٹ کے بجائے سیاسی وفاداریوں پر کی جاتی ہیں، جس سے جرائم پر قابو پانے کا نظام مفلوج ہو چکا ہے۔
- **جیلوں میں بدعنوانی اور گنجائش سے زیادہ قیدی :** صوبائی جیلوں میں قیدیوں کے لیے مختص راشن اور طبی فنڈز کی بڑے پیمانے پر چوری، اور امیر قیدیوں کو غیر قانونی وی آئی پی سہولیات کی فراہمی۔
- **تحقیقاتی نظام (انویسٹی گیشن) کی کمزوری :** جدید فرانزک ٹیکنالوجی کے بجائے تشدد پر مبنی پرانے طریقوں پر انحصار، جس کی وجہ سے عدالتوں میں مجرموں کو سزا دلوانے کی شرح انتہائی کم ہے۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **سپریم کورٹ آف پاکستان کا تفصیلی فیصلہ (پولیس ریفارمز کیس، پی ایل ڈی 2019 سپریم کورٹ صفحہ 240) :** عدالتِ عظمیٰ نے اپنے فیصلے کے صفحہ نمبر 45 پر واضح کیا کہ صوبائی حکومتیں پولیس کو قانون کے بجائے ذاتی ایجنڈے کے لیے استعمال کرتی ہیں، جس سے امن و امان کا بنیادی ڈھانچہ تباہ ہوا۔
- **آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی آڈٹ رپورٹ برائے جیل خانہ جات پنجاب (صفحہ نمبر 62) :** جیلوں میں قیدیوں کے کھانے پینے کے بجٹ میں 35 فیصد مالیاتی خرد برد اور سیکیورٹی آلات کی خریداری میں کرپشن کے ثبوت۔

2۔ بلدیاتی خدمات اور مقامی حکومتیں (میونسپل سروسز اور لوکل گورنمنٹ)

محکمے اور کارپوریشنز:

- ویسٹ مینجمنٹ کمپنیاں (لاہور، کراچی، پشاور، کوئٹہ ویسٹ مینجمنٹ کمپنیاں)
- واسا (واٹر اینڈ سینیٹیشن اتھارٹیز)
- صوبائی لوکل گورنمنٹ بورڈز اور میونسپل کارپوریشنز

ناکامی کے اسباب:

- **شہروں میں کچرے کے ڈھیر اور سیوریج کی تباہی :** ویسٹ مینجمنٹ کمپنیوں کو اربوں روپے کے فنڈز اور بھاری مشینری فراہم کیے جانے کے باوجود شہروں میں صفائی کا نظام نہ ہونے کے برابر ہے، اور فنڈز کا بڑا حصہ جعلی ملازمین (گھوسٹ ایمپلائز) کی تنخواہوں میں چلا جاتا ہے۔

- **پینے کے صاف پانی کی عدم فراہمی :** واسا کی نااہلی کی وجہ سے پینے کے پانی کی لائنوں میں سیوریج کا پانی مکس ہونا، اور پانی کے بلوں کی ریکوری نہ ہونے کے باعث یہ ادارے مستقل خسارے میں ہیں۔

- **ماسٹر پلاننگ کا فقدان :** غیر قانونی ہاؤسنگ سوسائٹیوں کی بھرمار جس میں میونسپل افسران بھاری رشوت لے کر منظوری دیتے ہیں، جس سے شہروں کا انفراسٹرکچر بیٹھ چکا ہے۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **آڈٹ جنرل آف پاکستان کی آڈٹ رپورٹ برائے لوکل گورنمنٹ سندھ (صفحہ نمبر 118) :** کراچی اور دیگر اضلاع میں میونسپل فنڈز سے اربوں روپے کی بوگس ادائیگیاں کی گئیں اور صفائی کے آلات صرف کاغذوں میں خریدے گئے۔

- **لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ برائے واسا و ویسٹ مینجمنٹ (رٹ پٹیشن نمبر 1022 آف 2022، صفحہ نمبر 15) :** عدالت نے واسا کی نااہلی اور زیرِ زمین پانی کے ضیاع پر شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے اسے شہریوں کی زندگیوں سے کھیلنے کا ذمہ دار قرار دیا۔

3۔ صوبائی ترقیاتی اتھارٹیز (ڈویلپمنٹ اتھارٹیز)

محکمے اور ادارے:

- ایل ڈی اے (لاہور)، کے ڈی اے اور ایس بی سی اے (کراچی)، پی ڈی اے (پشاور)، کیو ڈی اے (کوئٹہ)

- صوبائی ہاؤسنگ اسکیمیں

ناکامی کے اسباب:

- **کمرشلائزیشن مافیا اور غیر قانونی تعمیرات :** بلڈنگ بائی لاز کی کھلم کھلا خلاف ورزی، کمرشل عمارتوں سے نقشوں کی منظوری کے نام پر اربوں روپے کی رشوت ستانی۔

- **سرکاری زمینوں پر قبضے :** ان اداروں کے اپنے افسران کی ملی بھگت سے اربوں روپے مالیت کی سرکاری اراضی پر لینڈ مافیا کا قبضہ۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **سندھ ہائی کورٹ کا تاریخی فیصلہ برائے کراچی غیر قانونی تعمیرات (پی ایل ڈی 2021 سندھ صفحہ 410) :** عدالت نے اپنے فیصلے کے صفحہ نمبر 89 پر سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو شہر کی تباہی کا اصل ذمہ دار قرار دیتے ہوئے ریمارکس دیے کہ افسران نے پیسوں کے عوض غیر قانونی کثیر المنزلہ عمارتیں بنوائیں۔

- **قومی احتساب بیورو (نیب) کی ایل ڈی اے سٹی اسکینڈل انکوائری رپورٹ (صفحہ نمبر 34) :** شہریوں سے پلاٹوں کے نام پر اربوں روپے جمع کرنے کے باوجود وقت پر زمین فراہم نہ کرنے اور فنڈز کی خرد برد کے دستاویزی ثبوت۔

4۔ صوبائی محکمہ جاتِ صحت و تعلیم (صحت اور ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹس)

محکمے اور ادارے:

- صوبائی محکمہ جاتِ پرائمری و سیکنڈری ہیلتھ کیئر
- صوبائی محکمہ جاتِ اسکول و ہائر ایجوکیشن
- ٹیکسٹ بک بورڈز

ناکامی کے اسباب:

- **گھوسٹ اسکولز اور غیر حاضر اساتذہ :** دیہی علاقوں (خصوصاً سندھ اور بلوچستان) میں ہزاروں اسکول کاغذوں میں چل رہے ہیں جہاں اساتذہ گھر بیٹھے تنخواہیں لیتے ہیں اور عمارتیں وڈیروں کے اوطاق کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔
- **ہسپتالوں میں ادویات کی چوری اور مشینوں کی خرابی :** ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتالوں میں غریبوں کے لیے آنے والی سرکاری ادویات نجی میڈیکل اسٹورز پر بیچی جاتی ہیں، اور ایکسرے و سی ٹی اسکین مشینیں جان بوجھ کر خراب رکھی جاتی ہیں تاکہ مریضوں کو نجی لیبز پر بھیجا جائے۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **بلوچستان ہائی کورٹ کا ازخود نوٹس برائے سرکاری اسکولز (صفحہ نمبر 23) :** عدالت کی قائم کردہ جوڈیشل کمیشن رپورٹ میں انکشاف ہوا کہ صوبے میں 2000 سے زائد گھوسٹ اسکول موجود ہیں جن کا بجٹ سالانہ ہڑپ کیا جا رہا ہے۔
- **آڈٹ جنرل آف پاکستان کی آڈٹ رپورٹ برائے محکمہ صحت خیبر پختونخوا (صفحہ نمبر 76) :** ہسپتالوں کے الیکٹرانک آلات کی خریداری میں مارکیٹ ریٹ سے 50 فیصد زائد ادائیگیاں کی گئیں اور ایمرجنسی ادویات کا اسٹاک غائب پایا گیا۔

5۔ صوبائی محکمہ جاتِ مال (ریونیو اور لینڈ ریکارڈ ڈیپارٹمنٹس)

محکمے اور ادارے:

- صوبائی بورڈ آف ریونیو
- پٹواری اور تحصیلدار نیٹ ورک
- لینڈ ریکارڈ کمپیوٹرائزیشن اتھارٹیز

ناکامی کے اسباب:

- **پٹواری کلچر اور فرنٹ مین سسٹم :** زمینوں کے ریکارڈ (فرد، انتقال) میں جان بوجھ کر ہیر پھیر کرنا تاکہ شہریوں سے لاکھوں روپے رشوت وصول کی جا سکے۔
- **کمپیوٹرائزیشن کے منصوبوں میں ناکامی :** اربوں روپے خرچ کرنے کے باوجود ڈیجیٹل لینڈ ریکارڈ سسٹم کو جان بوجھ کر کامیاب نہیں ہونے دیا گیا تاکہ پٹواری مافیا کی اجارہ داری قائم رہے۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **سپریم کورٹ آف پاکستان کا فیصلہ (پٹواری اختیارات کیس، 2019 ایس سی ایم آر صفحہ 102) :** عدالتِ عظمیٰ نے اپنے فیصلے کے صفحہ نمبر 12 پر واضح کیا کہ پٹواری اور محکمہ مال کا موجودہ ڈھانچہ کرپشن کی جڑ ہے اور یہ شہریوں کے حقوق کے تحفظ میں مکمل ناکام ہو چکا ہے۔
- **پنجاب اینٹی کرپشن اسٹیبلشمنٹ کی سالانہ رپورٹ (صفحہ نمبر 44) :** محکمہ مال کے افسران کے قبضے سے برآمد ہونے والے اربوں روپے کے بے نامی اثاثوں اور جعلی انتقالات کی تفصیلات۔

6۔ صوبائی فوڈ ڈیپارٹمنٹس اور پاسکو (صوبائی فوڈ ڈویژنز)

محکمے اور ادارے:

- صوبائی محکمہ جاتِ خوراک (پنجاب، سندھ وغیرہ)
- گندم کی خریداری کے مراکز (وہیٹ پروکیورمنٹ سینٹرز)

ناکامی کے اسباب:

- **گندم کی خریداری اور باردانہ اسکینڈل :** گندم کی خریداری کے سیزن میں غریب کسانوں کو باردانہ (بوریاں) فراہم نہ کرنا اور مڈل مین (آڑھتی) کو نوازنا، جس سے کسانوں کا معاشی قتل ہوتا ہے۔

- **گوداموں میں گندم کی تباہی :** گوداموں میں پڑی کروڑوں روپے کی گندم مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے سڑ جانا یا اسے کاغذوں میں "چوہے کھا گئے" دکھا کر اوپن مارکیٹ میں بلیک کر دینا۔

مستند دستاویزی حوالے:

- **وزارتِ خوراک کی وفاقی انکوائری رپورٹ برائے گندم بحران (صفحہ نمبر 56) :** صوبائی محکمہ جاتِ خوراک کے افسران اور فلور ملز مالکان کے گٹھ جوڑ کو گندم کی مصنوعی شارٹیج اور آٹے کی قیمتوں میں اضافے کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔
- **آڈٹ رپورٹ برائے محکمہ خوراک سندھ (صفحہ نمبر 18) :** آڈٹ کے دوران گوداموں سے 7 ارب روپے مالیت کی گندم غائب پائی گئی، جس کا کوئی ریکارڈ انتظامیہ فراہم نہ کر سکی۔

صوبائی محکموں کی تباہی کا مشترکہ نچوڑ:

ان تمام صوبائی محکموں کی انکوائری رپورٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب **صوبائی خود مختاری کے بعد فنڈز کا بے تحاشا ضیاع** اور **مقامی وڈیروں، خانوں اور سیاسی رہنماؤں کا اپنے اپنے اضلاع کے محکموں پر مکمل کنٹرول** ہے۔ جب تک ان محکموں کو بیوروکریسی اور سیاسی دباؤ سے آزاد کر کے ٹیکنالوجی کے تحت خودکار (Automated) نہیں کیا جاتا، یہ ملکی خزانے پر اسی طرح بوجھ بنے رہیں گے۔

ریاستی اور صوبائی اداروں کے زوال کا جامع تجزیہ

پاکستان کے تمام وفاقی وزارتوں، صوبائی محکموں، بلدیاتی اداروں اور پبلک سیکٹر انٹرپرائزز کی آڈٹ اور تحقیقاتی رپورٹس کا مجموعی جائزہ لینے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اداروں کی تباہی محض کسی ایک حکومت یا فرد کی نااہلی کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ ایک گہرے ساختیاتی، قانونی اور انتظامی بحران کا شاخسانہ ہے۔ ملکی تاریخ کے اس تاریک باب میں اداروں کے زوال، نااہلی اور دیوالیہ پن کے تمام مشترکہ اسباب درج ذیل بنیادی نکات پر محیط ہیں:

1۔ بھوت بھرتیاں اور گھوسٹ ملازمین کا نیٹ ورک

صوبائی اور وفاقی محکموں، بالخصوص محکمہ تعلیم، بلدیاتی اداروں اور محکمہ صحت کا ایک بڑا المیہ "بھوت بھرتیاں" (گھوسٹ ملازمین) ہیں۔ ہزاروں ایسے ملازمین ہیں جو صرف کاغذات پر موجود ہیں اور ہر ماہ باقاعدگی سے قومی خزانے سے تنخواہیں اور مراعات وصول کر رہے ہیں، لیکن عملی طور پر وہ یا تو بیرونِ ملک مقیم ہیں یا مقامی بااثر سیاسی رہنماؤں کے ڈیروں اور اوطاقوں پر ذاتی ملازمت کر رہے ہیں۔ اس نیٹ ورک نے محکموں کے بجٹ کا بڑا حصہ چاٹ لیا ہے، جس کی وجہ سے حقیقی کام کرنے والے عملے کی شدید کمی رہتی ہے۔

2۔ ملازمین کی یونینز اور جکڑی ہوئی انتظامیہ (ٹریڈ یونینز کا دباؤ)

تمام بڑے اداروں (جیسے پی آئی اے، اسٹیل ملز، ریلویز اور واسا) میں سیاسی پشت پناہی پر قائم ملازمین کی یونینز نے متوازی حکومتیں قائم کر رکھی ہیں۔ ان یونینز نے انتظامیہ کو اس حد تک بلیک میل کیا کہ اداروں میں جدید اصلاحات، کمپیوٹرائزیشن، بائیومیٹرک حاضری، اور ڈیجیٹل نقل و حمل کے ہر منصوبے کو ہڑتالوں اور احتجاج کے ذریعے ناکام بنا دیا گیا۔ ان یونینز کے دباؤ کے باعث کسی بھی کرپٹ یا نااہل ملازم کے خلاف انضباطی کارروائی کرنا انتظامیہ کے لیے ناممکن بنا دیا گیا، جس نے اداروں میں جوابدہی کا تصور ہی ختم کر دیا۔

3۔ سرکاری ملازمت کا تحفظ اور نااہلی کا لائسنس (نوکری کے تحفظ کا قانون)

موجودہ قوانین کے تحت سرکاری ملازمت کو ایک ایسا تحفظ حاصل ہے جو ملازم کو کارکردگی دکھانے کی فکر سے آزاد کر دیتا ہے۔ نجی شعبے کے برعکس، جہاں کارکردگی نہ دکھانے پر برطرفی کا خوف ہوتا ہے، سرکاری محکموں میں ایک بار بھرتی ہونے کے بعد ملازم کی ترقی اور نوکری کا برقرار رہنا محض وقت گزرنے سے مشروط ہے۔ یہ قانونی تحفظ افسران اور ماتحت عملے کو سست، غیر ذمہ دار اور نااہل بنا دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ سنگین غفلت کے باوجود انہیں نوکری سے نکالنا ایک طویل اور پیچیدہ قانونی عمل ہے جو عموماً بیوروکریسی کی ملی بھگت سے ختم ہو جاتا ہے۔

4۔ پنشن کا نظام: بجٹ کو چاٹنے والا معاشی ناسور (ناقابلِ برداشت پنشن واجبات)

ریاستی اور صوبائی محکموں کا سب سے بڑا مالیاتی بحران ان کا پنشن سسٹم ہے۔ پاکستان ریلویز، محکمہ ڈاک اور صوبائی لوکل گورنمنٹ کے بجٹ کا 50 سے 60 فیصد حصہ اب فعال ملازمین کے بجائے ریٹائرڈ ملازمین کی پنشن کی نذر ہو رہا ہے۔ چونکہ ماضی میں پنشن فنڈز قائم کرنے کے بجائے براہِ راست ریونیو سے ادائیگیاں کی گئیں، اس لیے اب یہ نظام ایک ایسا معاشی بارود بن چکا ہے جو اداروں کے تمام کمائے ہوئے فنڈز کو ترقیاتی کاموں یا جدید مشینری کی خریداری کے بجائے صرف پنشن کی تقسیم میں اڑا دیتا ہے۔

5۔ سیاسی مقاصد، سفارشی بھرتیاں اور اقربا پروری

ماضی کے تمام ادوار میں سرکاری محکموں کو ملکی ترقی کے بجائے "سیاسی بھرتی مراکز" کے طور پر استعمال کیا گیا۔ وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان نے اپنے حلقہ انتخاب میں vote bank مضبوط کرنے کے لیے میرٹ کی دھجیاں اڑاتے ہوئے لاکھوں غیر ہنر مند اور نااہل افراد کو اداروں پر مسلط کیا۔ پی آئی اے میں فی طیارہ 500 ملازمین کا بوجھ، اسٹیل ملز میں ہزاروں اضافی بھرتیاں، اور محکمہ مال میں پٹواریوں کے فرنٹ مینوں کا نیٹ ورک اسی سفارشی کلچر کی پیداوار ہے، جس نے اداروں کے بجٹ کو تنخواہوں کے بوجھ تلے دبا دیا۔

6۔ وفاقی و صوبائی افسر شاہی کا روایتی بھرتی عمل اور مخصوص کوٹے کی رشوت

وفاقی اور صوبائی پبلک سروس کمیشنز کے ذریعے مروجہ بھرتی کا عمل اب جدید چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اس نوآبادیاتی ڈھانچے کا سب سے بڑا انتظامی تضاد یہ ہے کہ مخصوص مقتدر حلقوں کو خوش کرنے اور سیاسی رشوت کے طور پر ریٹائرڈ فوجی افسران کو سول انتظامیہ، اہم وزارتوں اور کلیدی عہدوں پر براہِ راست تعینات کر دیا جاتا ہے۔ اس عمل سے نہ صرف میرٹ پر آنے والے سول افسران کی حق تلفی ہوتی ہے، بلکہ سول محکموں کا مزاج بھی تبدیل ہو جاتا ہے، جہاں پیشہ ورانہ صلاحیت کے بجائے مخصوص مفادات کو اولیت دی جاتی ہے۔

7۔ کلیدی عہدوں پر دوہری شہریت کے حامل افراد کا تسلط

انتظامیہ کی تباہی کا ایک اہم سبب وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے کلیدی عہدوں، مشاورتی کمیٹیوں اور بڑی سرکاری کمپنیوں کے سربراہان کی پوزیشنز پر دوہری شہریت کے حامل افراد کی تعیناتی ہے۔ ایسے افراد جن کے اثاثے، خاندان اور مستقبل بیرونِ ملک وابستہ ہوں، وہ ملکی اداروں کے طویل مدتی مفاد میں فیصلے کرنے کے بجائے وقتی اور ذاتی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اداروں کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں یہ بیوروکریٹس اور سربراہان کسی بھی احتساب سے بچنے کے لیے راتوں رات ملک سے فرار ہو جاتے ہیں۔

8۔ شاہانہ طرزِ زندگی اور مضحکہ خیز طبقاتی تضاد

ملک کے شدید ترین معاشی بحران، گرتے ہوئے مالیاتی ذخائر اور بیرونی قرضوں کی دلدل کے باوجود وفاقی اور صوبائی افسر شاہی کا طرزِ زندگی کسی امیر ترین ملک کے بادشاہوں جیسا ہے۔ صوبائی اور وفاقی سیکرٹریز، محکموں کے سربراہان، انسپکٹر جنرلز، ڈپٹی انسپکٹر جنرلز، ڈپٹی کمشنرز اور اسسٹنٹ کمشنرز کے شاہانہ پروٹوکول، تاریخی اور وسیع و عریض سرکاری بنگلے، اور ان کے ماتحت کام کرنے والے درجنوں ملازمین کی فوج ملکی معیشت پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہے۔

اس کا سب سے مضحکہ خیز اور دردناک تضاد اس وقت سڑکوں پر نظر آتا ہے جب دو کروڑ روپے مالیت کی جدید، سرکاری ڈبل کیبن ویگو گاڑیاں چمکاتے ہوئے اسسٹنٹ کمشنرز اور ڈپٹی کمشنرز سڑک کنارے بیٹھے کسی انتہائی غریب ریڑھی بان یا پاکر کی چند سو روپے کی روزی روٹی اور تجاوزات کو چیک کرنے نکلتے ہیں۔ یہ منظر اس نوآبادیاتی اور استحصالی نظام کی سب سے بڑی دلیل ہے جہاں قانون کا پورا نفاذ صرف کمزور اور غریب طبقے پر ہوتا ہے، جبکہ اپنی نااہلی سے اربوں روپے کا نقصان کرنے والے افسران کو مزید مراعات، نئی گاڑیاں اور مفت پٹرول فراہم کیا جاتا ہے۔

9۔ کڑی نگرانی کا فقدان اور عوامی شکایات کی رسمی خانہ پوری

موجوہ آڈٹ اور عوامی دادرسی کا نظام صرف ایک رسمی کارروائی بن کر رہ گیا ہے۔ آڈٹ جنرل آف پاکستان ہر سال اربوں روپے کی مالی بے ضابطگیوں کی نشاندہی کرتا ہے، لیکن بیوروکریسی کے گٹھ جوڑ کے باعث ان پر کبھی سخت سزائیں نہیں دی جاتیں۔ اسی طرح، محکموں میں عوامی شکایات کے ازالے کے پورٹلز محض ایک بیوروکریٹک خانہ پوری بن چکے ہیں۔ شہریوں کی شکایات پر کوئی ٹھوس یا فوری کارروائی نہیں کی جاتی، بلکہ کاغذات کا پیٹ بھرنے کے لیے فائلوں کو ایک میز سے دوسری میز پر گھمایا جاتا ہے، جس سے ریاست اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ مکمل طور پر ٹوٹ چکا ہے۔

حاصلِ کلام (خلاصہ)

پاکستان کے ریاستی اداروں کا زوال کسی حادثے کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک منظم انداز کی خودکشی ہے۔ جب تک سفارش پر بھرتیوں اور مقتدر حلقوں کو نوازنے کے کوٹے کا خاتمہ نہیں کیا جاتا، نوکری کے غیر مشروط تحفظ کے قوانین تبدیل نہیں ہوتے، کلیدی عہدوں سے دوہری شہریت کے حامل افراد کو نہیں ہٹایا جاتا، اور افسر شاہی کی شاہانہ مراعات اور دو دو کروڑ کی گاڑیوں کے پروٹوکول کو ختم کر کے ایک سادہ، جوابدہ اور ٹیکنالوجی پر مبنی نظام نافذ نہیں کیا جاتا، تب تک کوئی بھی نجکاری یا بحالی کا عارضی منصوبہ ان زنگ آلود شریانوں میں دوبارہ زندگی نہیں دوڑا سکتا۔ یہ محکمے اس وقت تک ملکی خزانے کو دیمک کی طرح چاٹتے رہیں گے جب تک ان کے پورے انتظامی ڈھانچے کی بنیاد میرٹ، سادگی اور کڑے احتساب پر نہیں رکھی جاتی۔

حرفِ آخر: عام پاکستانی کے لیے بیداری کا مینوئل

پاکستان کا موجودہ انتظامی، معاشی اور آئینی ڈھانچہ ایک عام شہری کو سہولت دینے کے لیے نہیں، بلکہ اسے بیوروکریٹک جبر، اوور بلنگ، اور اشرافیہ کی مراعات کا ایندھن بنانے کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ جب تک ایک عام پاکستانی اس فرسودہ نظام کے ہتھکنڈوں کو قانونی اور ڈیجیٹل ہتھیاروں سے نہیں کاٹے گا، یہ تذلیل نسل در نسل چلتی رہے گی۔

یہ بیداری کا مینوئل کوئی نظریاتی کتابچہ نہیں، بلکہ فرنٹ لائن پر لیسکو (LESCO) جیسے اداروں کے خلاف پندرہ ماہ کی اعصاب شکن جنگ جیتنے کے بعد تیار کردہ ایک عملی گائیڈ لائن ہے۔ اس کا مقصد عام شہری کو مظلومیت کے احساس سے نکال کر قانون کی طاقت سے لیس کرنا ہے۔

● پبلک یوٹیلٹیز (ڈسکوز / لیسکو) کے خلاف جنگ کا مینوئل

اگر آپ کے گھر کا بجلی کا میٹر خراب ہو جائے، یا لیسکو آپ کو فرضی و بوگس بل بھیج دے، تو گھبرانے اور رشوت دینے کے بجائے درج ذیل قانونی اور دستاویزی مراحل پر عمل کریں:

1۔ دستاویزی ثبوت کا تحفظ (Documentary Evidence)

- **تصویری ریکارڈ:** اپنے پرانے یا خراب میٹر کی اسکرین کی واضح تصویر (ریڈنگ اور سیریل نمبر کے ساتھ) فوراً محفوظ کریں۔
- **کاغذی ثبوت:** لیسکو کے عملے کو دی جانے والی ہر درخواست پر ڈائری نمبر، تاریخ، اور وصول کنندہ کے دستخط (Receiving) لازمی لیں۔

2۔ آن لائن پورٹلز کا اسمارٹ استعمال

- **شکایت کا اندراج :** لیسکو کے آن لائن پورٹل یا وفاقی حکومت کے کسٹمر کمپلینٹ مینجمنٹ سسٹم پر شکایت درج کروائیں۔
- **سسٹم میں کی جانے والی جعل سازی پر نظر :** لیسکو کا عملہ اکثر آپ کا مسئلہ حل کیے بغیر ہی کمپیوٹر پر اسے "Resolved" (حل شدہ) مارک کر دیتا ہے۔ پورٹل پر لاگ ان (Logs) کو روزانہ چیک کریں۔ اگر وہ شکایت زبردستی بند کریں، تو ثبوت کے ساتھ اسے دوبارہ اوپن (Reopen) کریں۔

3۔ وفاقی محتسب آپ کا سب سے بڑا ہتھیار

جب لیسکو کا لوکل سب ڈویژن (ایس ڈی او یا ایکسین) آپ کی درخواست پر کارروائی نہ کرے، تو وقت ضائع کیے بغیر وفاقی محتسب کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔

- **طریقہ کار :** آن لائن یا دستی طور پر لیسکو کی بدانتظامی کے خلاف کیس دائر کریں۔ یہ بالکل مفت ہے اور اس کے لیے کسی مہنگے وکیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔
- **توہینِ محتسب کا استعمال :** اگر محتسب کے واضح فیصلے کے باوجود لیسکو عملہ تاخیری حربے استعمال کرے یا جھوٹے کاغذات جمع کروائے، تو ان کے خلاف **توہینِ عدالت / محتسب** اور تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ 193 (دروغ حلفی / جھوٹی گواہی) کے تحت فوری کارروائی کی درخواست دیں۔

4۔ کثیر الجہتی جوابی حملہ

بیوروکریسی کا جمود توڑنے کے لیے رول آف لا کے تینوں بڑے فورمز پر ایک ساتھ وار کریں:

1. **وفاقی محتسب سیکرٹریٹ**)انتظامی اور قانونی کارروائی کے لیے(
2. **وزارتِ توانائی (پاور ڈویژن) کا آن لائن مانیٹرنگ سسٹم**) محکمانہ دباؤ کے لیے(
3. **وزیراعظم پرائم منسٹر پورٹل**)اعلیٰ سطح پر ریکارڈ کی دستیابی کے لیے(

جب ریاست کے یہ تینوں ادارے لیسکو کے ہیڈ کوارٹر سے کمپیوٹرائزڈ ڈیٹا مانگیں گے، تو مقامی افسران کا گٹھ جوڑ ٹوٹ جائے گا اور وہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

ریاستی اداروں اور بیوروکریسی سے نمٹنے کے سنہری اصول

سرکاری دفاتر میں عام شہری کو زلیل و خوار ہونے سے بچنے کے لیے ان اصولوں کو گانٹھ باندھ لیں:

- **قانون کی زبان بولیں :** کسی بھی سرکاری ملازم سے بحث کرنے کے بجائے متعلقہ ادارے کے رولز اور ایکٹ کا حوالہ دیں۔ جب آپ قانون کی زبان بولتے ہیں، تو افسر شاہی کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔
- **لکھے ہوئے پر یقین کریں، زبانی کلامی پر نہیں :** سرکاری نظام میں زبانی بات کی کوئی اوقات نہیں ہوتی۔ دفتر کا کلرک یا افسر جو بھی کہے، اسے تحریری طور پر دینے کا مطالبہ کریں۔
- **سرکاری ملازم آپ کا خادم ہے، حاکم نہیں :** یہ یاد رکھیں کہ ہر سرکاری افسر کی تنخواہ آپ کے دیے گئے ٹیکسوں سے ادا ہوتی ہے۔ وہ آپ کا خادم ہے۔ اپنے جائز کام کے لیے کبھی بھی معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہ کریں، بلکہ پر اعتماد طریقے سے اپنا حق مانگیں۔

فکری بیداری: معاشی اور سیاسی شعور کا مینوئل

ایک عام پاکستانی کو اب معاشی طور پر بھی بیدار ہونا پڑے گا تاکہ وہ حکمرانوں کے جھوٹے دلاسیوں کا شکار نہ ہو:

- **بل کا نہیں، معاہدوں کا حساب مانگیں :** جب اگلا بل آپ کے ہاتھ میں آئے، تو صرف لیسکو کو گالی نہ دیں، بلکہ آئی پی پیز (IPPs) کے ان یکطرفہ اور ظالمانہ معاہدوں کے خلاف آواز اٹھائیں جن کی وجہ سے آپ بجلی استعمال کیے بغیر بھی "کیپیسٹی چارجز" ادا کر رہے ہیں۔
- **ٹیکس کلچر پر سوال اٹھائیں :** آپ ماچس کی ڈبیا سے لے کر موبائل ریچارج تک ہر چیز پر بھاری سیلز ٹیکس اور ودہولڈنگ ٹیکس دیتے ہیں۔ آپ نان فائلر ہو کر بھی فائلر سے زیادہ ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ اس لیے جب ریاست آپ کو صحت، تعلیم اور سیکیورٹی نہ دے، تو اپنے مقامی نمائندوں کا گھیراؤ کریں اور اپنے ٹیکس کا حساب مانگیں۔
- **اشرافیہ کی مراعات پر چارج شیٹ :** سرکاری افسران، ججز، اور جرنیلوں کو ملنے والی مفت بجلی، مفت پٹرول اور شاہانہ مراعات کے خلاف ہر فورم اور سوشل میڈیا پر آواز بلند کریں۔ ایک مقروض ملک میں غریب کے پیسوں پر یہ عیاشی معاشی دہشت گردی کے مترادف ہے۔

مینوئل کا خلاصہ

"ظلم اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک مظلوم قانون کی طاقت سے ناواقف رہتا ہے۔ پاکستان کا فرسودہ نظام اس دن بدل جائے گا جس دن لیسکو کے کسی سب ڈویژن کے باہر کھڑا ایک عام ریڑھی بان بھی اپنے میٹر کے خراب ہونے پر ایس ڈی او کو وفاقی محتسب اور توہینِ عدالت کا نوٹس دکھانے کی طاقت رکھتا ہو گا۔"

اٹھو، اپنے حقوق کو پہچانو، اور اس کھوکھلے نظام کو قانون کے کٹہرے میں لا کھڑا کرو!



وہ قیمت جو ہم نے چکائی

پاک وطن کے آغاز سے ہی یہ سفر ہمارے لیے ایک عہد تھا۔ قربانی، حوصلہ اور عزم کا ہر لمحہ حق و سچ کی راہ پر چلتے ہوئے ہم نے ہر چیلنج کا سامنا کیا، ہر رکاوٹ کو ہمت سے پار کیا۔ لیلن اسے روکنے کا اختیار اور طاقت رکھنے والے اصحاب بھی اپنی نگاہوں سے اس راہ کو دیکھ رہے ہیں۔

فیصل عظیم

مصنف کی دیگر کتب:

- دلوں کے اندر بدلتے موسم (شعری مجموعہ)
- شہری دفاع مددگار کتابچہ
- شہری دفاع وردی اور سروس قوانین
- ففتھ جنریشن وار فیئر اور شہری دفاع
- شہری دفاع اہلکاران کے فرائض

بیسٹ سیلر

8 978-969-17345-67
ISBN: 978-989-12345-67-8

طلحہ قریشی پبلشرز اینڈ پرنٹرز • لاہور • 2024 • قیمت: 800 روپے